فائزہ افتخار

دوسرا دستہ

وین کا ہارن سنتے ہی نشاط نے بالکونی سے نیچے جھانکا۔

"یہ وین والا آج پھر پندرہ منٹ پہلے آگیا۔"

وہ خاصی بلند آواز میں بڑبڑائی، شاید وین والے کو سنانے کے لیے مگر اس کا فائدہ کوئی نہیں تھا۔ کیونکہ وین میں خاصے تیز والیوم کے ساتھ گانا چل رہا تھا۔

"کھائی کے پان بنارس والا۔۔۔ کھل جائے بند عقل کا تالا۔۔۔"

"سویرے سویرے اور کوئی کام نہیں نامراد کو۔ کیسا گانا گا رکھا ہے۔ یہ کوئی وقت ہے۔"

"بس کرو بہو! تم نے نماز پڑھ لی کافی ہے۔ ابھی بھی وقت ہے تو جاؤ اپنی ساس کے ساتھ بیٹھ کر تسبیح پڑھو۔ کوئی کیا کرتا ہے کیا نہیں، اس پہ بلاوجہ کڑھنے کا فائدہ۔" نشاط کے سسر نے اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹاتے ہوئے ناگواری سے کہا اور پھر دوبارہ اخبار منہ کے آگے کرتے ہوئے آہستہ آواز میں بڑبڑائے۔

"الٹا نقصان ہی ہوگا اگر یہ وین والا بھی بلاوجہ اعتراضات سے گھبرا کے بھاگ گیا تو۔"

ان کا اعتراض بجا تھا۔ جب کوئی وین والا نہ آتا تو روشانے کو کالج سے لانے کی ذمہ داری انہیں ہی سونپی جاتی تھی۔ صبح تو وہ باپ کے ساتھ جاتی مگر دوپہر کے وقت چونکہ ان کا بیٹا خالد سعید آفس میں ہوتا تھا، اس لیے یہ فریضہ انہیں انجام دینا پڑتا تھا اور اس عمر میں دیگنوں اور رکشوں کے دھکے کھانا ان کے بس کی بات نہیں تھی، اس لیے وہ اپنی بہو کی نکتہ چینی کو پسند نہیں کرتے تھے۔

روشانے تیار ہو کے کمرے سے نکلی تو روز کی طرح نشاط نے ناقدانہ نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ ڈھیلا ڈھالا کاٹن کا سفید یونیفارم، بند گلے کی فل آستینوں والی قمیص۔ بڑا سا دوپٹہ اور سر کے گرد لپٹا سیاہ اسکارف۔ بغیر ہیل کے بند جوتے۔ نہ کسی قسم کی کوئی جیولری نہ ہی کوئی میک اپ۔ اگرچہ کالج میں اس سب کی اجازت بھی نہیں تھی۔ مگر کانوں کے بندے یا بالیاں یا ٹاپس وغیرہ تو سب ہی لڑکیاں پہن کے رکھتی

ناولٹ

تھیں۔ آئی پنسل اور نیچرل کلر کی لپ اسٹک وغیرہ پہ بھی ہاتھ صاف کرلیا جاتا مگر اس کا سادہ چہرہ ان تمام تکلفات سے مبرا تھا۔

"یہ آج پھر اتنی جلدی آگیا ہے۔ کیا تکلیف ہے اسے؟"

نشاط نے کڑے تیوروں سے پوچھا تو روشانے کے چہرے پہ گھبراہٹ اور بے چینی نظر آنے لگی۔

"مجھے کیا پتہ ممی۔۔۔؟" وہ بوکھلائی۔

"تو کیا تمہارے فرشتوں کو پتا ہوگا؟" اس بار نشاط نے آواز دبا کے گھرکا۔ اسے گلہ تھا کہ جب بھی وہ بیٹی سے بات کرتی ہے' اس کے دس حمایتی کونے کھدروں سے نکل آتے ہیں جن میں سرفہرست روشانے کے دادا' دادی تھے۔ اس لیے وہ زیادہ تر آنکھیں دکھانے یا پھر ہلکی آواز میں گھرکنے پہ ہی اکتفا کرتی۔

"پہلے رخسانہ اور مریم کو لیتے ہیں اصغر بھائی جان۔۔۔ جس دن وہ چھٹی کرلیں تو پھر میں ہی۔۔۔"

"اتنا لاڈ سے بھائی جان کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈرائیور ہے وہ۔۔۔ پیسے لیتا ہے ہر مہینے۔ زیادہ رٹے گانٹھنے کی ضرورت نہیں ہے اور اندر چلو تم۔۔۔ میں اسے چلتا کرتی ہوں۔" وہ پلٹی۔

"مگر ممی۔۔۔" روشانے نے احتجاج کرنا چاہا۔

"میں اس لفنگے کے ڈراموں میں نہیں آنے والی۔ مجھے تو پہلے دن سے اس کی شکل پسند نہیں ہے۔ ہفتے میں دو دن تو لازمی یہ صبح صبح اکیلا ہی آن مرتا ہے۔ میں اپنی جوان بچی کیسے ایک مسٹنڈے کے ساتھ اکیلی بھیج دوں۔"

"لیکن ممی! پندرہ منٹ تک یہ وین چودہ لڑکیوں کے بھر جائے گی۔ دو تو اگلی اسٹریٹ کی ہیں۔"

"بھواس بند کرو اور اندر چلو۔ جانا ہے تو اپنے پاپا کے ساتھ چلی جاؤ' ورنہ چھٹی کرو۔ میں تمہیں اس کے ساتھ نہیں بھیجوں گی۔"

"ممی! میرا پیپر ہے۔۔۔ میں دونوں کا نہیں تھا جو چھٹی کرکے گھر بیٹھ گئی ہوں؟"

"نہیں۔ وہ آرٹس کی ہیں۔ پلیز ممی! میرا یہ پیپر۔۔۔"

"روشی۔۔۔ کہاں ہو تم۔۔۔ وین والے نے ہارن بجا بجا کے دماغ پلپلا کردیا ہے۔"

باہر سے سعید صاحب کی آواز آئی۔ روشانے ماں پہ ایک شکوہ کناں نظر ڈال کے چپ ہورہی۔

"آرہی ہے ابا جی۔۔۔" اندر سے خالد صاحب نکلے۔ "تم کھڑی ہو اب تک' جلدی کرو بیٹا! محلے والے بھی تنگ ہوتے ہیں اس طرح۔ پچھلے سات آٹھ منٹ سے بے چارہ ہارن بجا رہا ہے۔"

"کہاں کا بے چارہ' خبیث ہے پورا اور محلے والے کیا تنگ ہوں گے۔ میں خود ناک تک بھر چکی ہوں اس وین والے سے۔ جاکے اس کا حساب کریں اور فارغ کریں۔ کوئی اور مل جائے گا۔"

"ہاں' کوئی اور مل جائے گا۔" خالد صاحب جھلا گئے۔ "اس سے بھی تم دو ہفتے بعد عاجز آجاؤ گی۔ کیا تماشہ لگا رکھا ہے نشاط تم نے۔ ایک سال ہوا ہے اسے کالج جاتے ہوئے اور یہ چوتھا وین والا بدلا ہے۔"

"آپ دیکھیں تو سہی' کیسے سوٹے لگا رہا ہے۔ گانے کون سے لگا رکھے ہیں اور۔۔۔ اور آیا بھی اکیلا ہے۔" اپنی طرف سے انہوں نے خاصا اہم انکشاف کیا تھا مگر خالد صاحب نے خاص اثر نہ لیا۔

"تو کیا اہل خانہ سمیت آتا۔"

باہر سے پھر ہارن بجنا شروع ہوگیا۔

"جانا ہے روشانے نے یا واپس بھیجوں اسے؟" سعید صاحب پھر پکارے۔ اس سے پہلے کہ نشاط انہیں ایسا ہی کرنے کو کہتی۔ خالد صاحب نے کہہ دیا۔

"آگئی۔۔۔ آگئی۔۔۔" اور روشانے کو بازو سے پکڑ کر سیڑھیوں کی جانب لے گئے۔

"اللہ حافظ ممی۔۔۔ اللہ حافظ پاپا۔۔۔" وہ جیسے جان چھڑا کے بھاگی۔

"آپ جیسا غیر ذمہ دار باپ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔" اب نشاط میاں پہ بگڑنے لگی۔ "کیا تھا جو آج آپ اسے کالج چھوڑنے چلے جاتے؟"

"صرف آج کی بات ہوتی تو ٹھیک تھا۔ کوئی مجبوری ہوتی' تب بھی ٹھیک تھا مگر روز روز بغیر کسی وجہ کے میں اتنا لمبا چکر نہیں کاٹ سکتا۔ میں لیٹ ہوجاتا ہوں آفس سے۔"

نشاط انہیں گھورتی ہوئی بالکونی کی جانب مڑی اور تقریباً" آدھی نیچے لنک کے روشانے کو وین میں بیٹھتا دیکھنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ روشانے ہمیشہ پیچھے ہی بیٹھتی ہے پھر بھی احتیاطاً" ہدایت جاری کی۔

"روشی! پیچھے بیٹھنا۔"

جواباً" روشانے نے ماتھے پہ ایک بل ڈال کے اوپر بیزار سی نظر ڈالی جو نشاط کو اور بھی سلگا گئی۔

"ہاں میں تو دشمن ہوں سب کی' ہر کوئی یوں ہی گھورتا ہے۔ ایسا برا لگا ہے اسے پیچھے بیٹھنے کی بات کرنا جیسے۔۔۔"

پھر اس کی بڑبڑاہٹ کو یکدم بریک لگا' جب وین اشارٹ ہوتے ہی گانا بھی تبدیل ہوا۔

"ہم کو دیوانہ۔۔۔ دیوانہ کرگئی۔۔۔"

جب تک گلی کے موڑ تک وین نظر آتی رہی گانے کی آواز بھی مدھم سے مدھم ہوتی سنائی دیتی رہی اور نشاط نظریں جمائے کڑھتی رہی۔

"میں نہ کہتی تھی۔۔۔ یہ وین والا۔۔۔ مگر کوئی میری بات پہ کان دھرے تب نا۔ سب اپنے حال میں مست ہیں۔ ایک سے بڑھ کے ایک غیر ذمہ دار۔ اگر میں اپنی آنکھیں اور کان کھلے نہ رکھوں تو بیڑا غرق ہوکے رہ جائے اس گھر کا۔"

اس بار اس نے بلند آواز میں کہا تھا۔ یہ الگ بات کہ نزدیک بیٹھے سعید صاحب نے اور ذرا فاصلے پہ کھڑے فون پہ کسی کا نمبر ملاتے خالد صاحب نے ذرا توجہ نہ دی۔ اس سے پہلے کہ نشاط کچھ اور کہتی' گھر کے بالکل سامنے ایک سامان سے بھرا ٹرک رکتے دیکھ کر وہ جاتے جاتے پھر سے رک کر نیچے جھانکنے لگی۔

ٹرک سے سامان اترنے لگا۔ سنگل بیڈ' کین کاٹو سیٹر صوفہ' رائٹنگ ٹیبل' چیئر اور کین کا ہی بک شیلف۔

بیوٹی بکس کا تحفہ

سوہنی ہیئر

★ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے،
★ نئے بال اُگاتا ہے
★ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے
★ مردوں عورتوں اور بچوں کے لیے یکساں مفید
★ ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

"سوہنی ہیئر آئل"
12 جڑی بوٹیوں کا مرکب
ہے اور اس کی تیاری کے
یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا
میں دستیاب نہیں کراچی میں
کی قیمت صرف 60/- رو
بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے
منی آرڈر اس حساب
ایک شیشی کے لیے
2 شیشیوں کے
3 شیشیوں کے
نوٹ: اس میں ڈاک خ
منی آرڈر بھیجنے

بیوٹی بکس 53 اور
دستی خریدنے والے حضرا
و بیوٹی بکس 3
ایم اے جناح
و مکتبۂ عمران ڈ
کراچی

"یہ سامان کس کا آیا ہے؟ سامنے والے گھر میں جارہا ہے۔ فرزانہ کے ہاں۔" اس کی لائیو کمنٹری شروع ہوگئی۔

"ہاں' انہوں نے اوپر کا پورشن کرائے پہ چڑھادیا ہے۔" سعید صاحب نے اخبار تہہ کرتے ہوئے اطلاع دی۔ ان کے مخلے بھرے اچھے تعلقات تھے۔

"کرائے پہ چڑھادیا ہے؟ تو خود کہاں گئے؟ سات مرلے کا تو گھر ہے ان کا۔ نیچے تو صرف ڈرائنگ' ڈائننگ' کچن' اسٹور اور لاؤنج ہے۔ بیڈ روم تو تین کے تین اوپر ہیں۔ اب اگر اوپر کا پورشن کرائے پہ چڑھادیا ہے تو پانچ بچوں کے ساتھ اور ساس سسر کے ساتھ یہ لوگ نیچے کہاں سمائیں گے۔"

"سب سے اوپر والا پورشن۔ جس پہ انہوں نے گرمیوں میں ایک کمرہ بنوایا ہے۔"

"اللہ میری توبہ۔ ایک کوٹھری اور وہ بھی تیسری منزل پہ۔ خالی کمرہ اور آگے ذرا سا برآمدہ۔ اسے بھلا کس نے کرائے پہ لے لیا۔"

"کوئی اسٹوڈنٹ ہے۔ اکیلے لڑکے کو بھلا کتنی جگہ چاہیے۔"

سسر کی بات پہ وہ کرنٹ کھا کے اچھلی۔

"اکیلا لڑکا؟ فرزانہ کے میاں نے جوان بچیوں کے ہوتے ہوئے اکیلا لڑکا گھر میں گھسالیا؟"

"گھر میں نہیں گھسایا۔ سب سے اوپر والے پورشن میں کرائے پہ رکھا ہے جو سب سے الگ تھلگ ہے اور جس کا راستہ بھی پچھلی جانب سے نکلتا ہے۔" وہ جلبلا گئے۔

"ہائے ہائے مگر کوئی طریقہ بھی تو ہو۔ آپ کو پتہ تھا ایسا جی تو آپ نے روکا تو ہوتا۔"

"میں کیوں روکتا۔ ان کا اپنا معاملہ ہے۔ کرائے پہ آنے سے کسی کو سہولت ہورہی ہے تو میں کیوں بلاوجہ ٹانگ اڑاتا۔"

"ان کی سہولت کے لیے ہم اپنی جان عذاب میں ڈالیں۔" نشاط کی آواز بلند ہوئی۔

"بالکل سامنے والا گھر ہے۔ چھت پہ کھڑا ہو گا تو ہمارے آنگن میں سیدھی تاک جھانک کرے گا۔ ان کو اپنی بیٹیوں کی فکر نہیں تو محلے کی دوسری بیٹیوں کا ہی لحاظ۔"

"آواز آہستہ رکھو بہو! نیچے سب سن رہے ہوں گے۔"

سعید صاحب نے ناگواری سے ٹوکا۔ خالد صاحب بھی فون رکھ کے مڑے۔

"کیا شور لگا رکھا ہے نشاط! دو منٹ سکون سے بات نہیں کرنے دی۔ یہ کوئی طریقہ ہے بالکونی سے لٹک کر ہمسایوں کو ڈسکس کرنے کا۔ میں تنگ آچکا ہوں تمہاری اس دوسروں کے معاملے میں ٹانگ اڑانے والی عادت سے۔"

سعید صاحب جو خود ہمسے نالاں رہتے تھے' بیٹے کو میدان میں اترتے دیکھ کر قدرے مطمئن ہو کر کرتا جھاڑتے اندر چلے گئے۔

نشاط بھی بالکونی سے تو ہٹ گئی مگر اندر آنے کے بعد دیر تک اپنی بھڑاس نکالتی رہی۔

"میں دوسروں کے معاملے میں ٹانگ نہیں اڑاتی بلکہ جب دوسروں کے معاملے سے ہمارے گھر اور بچوں کو نقصان پہنچتا ہو تب چلاتی ہوں مگر بجائے میرا ساتھ دینے کے سب مجھے ہی برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ آپ کو میرا بولنا سنائی دے رہا ہے' ایک چھڑے چھانٹ لڑکے کا گھر کے بالکل سامنے آکر رہنا نظر نہیں آرہا۔ جوان بچی کے باپ ہیں مگر اتنے لاپروا۔۔۔ دیکھ لینا' کسی نہ کسی دن نقصان اٹھائیں گے آپ۔"

"سوچ سمجھ کے بات کیا کرو نشاط!" اس کی ساس جو گھر کے معاملات سے خود کو مصلحتاً" الگ تھلگ ہی رکھا کرتیں مگر کبھی کبھار بولے بنا رہ نہیں پاتی تھیں بولے آج۔ کمرے سے تو وہ اس لیے نکلی تھیں کہ نشاط کا موڈ صبح صبح بگڑ گیا ہے' کہیں بے کار کی اس تکرار میں خالد بغیر ناشتے کے آفس نہ چلا جائے' اس لیے وہ آئی تو اپنے بیٹے کا ناشتہ بنانے تھیں مگر اس کی یہ بات سن کر چل گئیں۔

"ابھی صبح کا وقت ہے اور تم کل کل ڈال کے بیٹھ گئی ہو۔"

سعید صاحب کیوں پیچھے رہتے۔ وہ تو ویسے بھی نشاط کو خاص پسند نہیں کرتے تھے اور ان اٹھارہ سالوں میں ان کی ناپسندیدگی سب پہ واضح ہو چکی تھی۔ ان کی بیگم مزاجاً" صلح جو عورت تھیں۔ اکثر انہیں بہو سے بحث کرنے پہ ٹوکتی رہتیں مگر وہ موقع تلاش کر ہی لیتے۔

"ہاں میں ہی بری ہوں۔ میں ہی منحوس ہوں جو گھر کی فکر کرتی ہوں۔ آپ سب اچھے ہیں جو آنکھیں بند کر کے مطمئن رہنا جانتے ہیں مگر آپ جو مرضی کہہ لیں۔ میں ماں ہوں' اپنے بچوں کی جانب کسی خطرے کو بڑھتا دیکھ کے خاموش نہیں رہ سکتی۔" وہ روتے ہوئے کہنے لگی۔ ایک تو اسے رونا بہت جلدی آتا تھا۔

"اف۔۔۔ ایک تو تمہارے یہ خطرے۔" خالد صاحب نے جھلا کے پاؤں کی ٹھوکر سے کرسی پیچھے دھکیلی۔

"بیٹھو بیٹا! آملیٹ بس تیار ہونے والا ہے' بس ابھی۔۔۔" صالحہ بیگم نے اس کو اٹھتے دیکھ کر کہنا چاہا۔

"دیر ہوگئی ہے امی!" وہ آف موڈ کے ساتھ کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔ سعید صاحب یہ بات جتانے سے بھلا کیوں چوکتے فوراً" بولے۔

"روز کا تو یہ بن چکا ہے۔ آئے دن خالی پیٹ گھر سے نکلتا ہے۔"

نشاط بھی کرسی غصے سے دھکیلتی اٹھی اور دھپ دھپ کرتی کمرے میں چلی گئی۔ صالحہ بیگم نے ایک گہری سانس لی۔

"وہم کا کوئی علاج نہیں۔"

"مگر میری بھوک کا تو کوئی علاج ہوگا۔" وہ اب ہلکے پھلکے ہو چکے تھے۔ صالحہ بیگم نے ایک ناراض سی نظر ان پہ ڈالی۔ بار بار کے سمجھانے پہ بھی وہ میاں کو بہو سے چونچ لڑانے کے شغل سے باز نہیں رکھ پائی تھیں۔ یہ تو شکر تھا کہ بیٹا کم عقل نہیں تھا' ورنہ ہوتا کوئی بیوی کے آنسوؤں میں بہہ جانے والا تو اب تک بڈھا بڑھیا کسی الگ فلیٹ میں اکیلے پڑے ہوتے کہ خالد صاحب ان کی اکلوتی اولاد تھے۔

"وہ آملیٹ کیا ہوا جو تم خالد کے لیے بنا رہی تھیں؟"

"لا رہی ہوں سعید صاحب!"

وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھیں اور آہستہ آہستہ کچن تک جانے لگیں۔

"ویسے آملیٹ اتنا "ٹیٹ" ہوجائے تو آملیٹ نہیں رہتا۔"

"ہلکی آنچ پہ رکھا تھا میں نے۔"

اندر بیٹھی نشاط ساس سسر کی نارمل سی باتیں سن کر کڑھتی رہی۔

"انہیں کھانے پینے کے چونچلے سوجھ رہے ہیں۔ بیٹی کے ماں باپ جو ٹھہرے۔ اپنی بیٹی نہیں ہے تو پرائی کو ہی بیٹی سمجھ لیں۔ ٹھیک ہے' کوئی کچھ نہیں کرتا' نہ کرے۔ میں خود فرزانہ سے بات کرتی ہوں۔ اس کی اپنی دو بیٹیاں ہیں۔ کیسی عاقبت نااندیش عورت ہے۔ لا کے آفت سر پہ بٹھالی ہے۔ اپنے لیے بھی عذاب اور دوسروں کے لیے بھی مصیبت اور یہ دین والا۔۔۔ اسے تو کل ہی جواب دیتی ہوں۔ بے شک مجھے خود جانا پڑے اسے لانے لے جانے کے لیے۔" اس نے مصمم ارادہ کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگرچہ اس کا موڈ آف ہی رہا مگر پھر بھی آدھے گھنٹے تک وہ کمرے سے نکل آئی۔ ویسے بھی سعید صاحب معمول کے مطابق ناشتہ کرتے ہی نہا دھو کے باہر نکل گئے تھے۔ اپنے ہی جیسے ریٹائرڈ دوستوں کے ساتھ گپ شپ لگانے۔ یہ چند گھنٹے نشاط کو بہت غنیمت لگا کرتے۔ اپنی ساس کو وہ بے ضرر جانتی تھی اور ان اٹھارہ سالوں میں دونوں میں لگاؤ بھی ہو چکا تھا پھر بھی کبھی کبھار اسے ان سے بھی شکایت ہو جاتی کہ وہ اس کی حمایت یا تائید کیوں نہیں کرتیں۔ ہمیشہ غیر جانب دار کیوں رہتی ہیں۔ آج بھی وہ اپنی خاموشی سے یہ ناراضی جتا رہی تھی اور ساتھ ساتھ معمول کے کام بھی نمٹا رہی تھی۔

ناشتے کے برتن دھونے کے ساتھ ساتھ اس نے دوپہر کے لیے کھانا تیار کرنا شروع کردیا تھا۔ سعید صاحب کو بیورک اسٹڈ بڑھ جانے کی شکایت تھی اور وہ گوشت سے تقریباً" پرہیز کرتے تھے۔ بلڈ پریشر کا عارضہ بھی تھا' اس لیے وہ باقاعدگی سے ان کے لیے کم نمک مرچ والی سبزی پکاتی تھی۔ خالد صاحب بیٹے کے شوقین تھے لہٰذا انھیں بھی بلاناغہ بنتا اور خالد صاحب اور بچے تھے بھی گوشت خور۔ سو بغیر گوشت کے کوئی دن نہ گزرتا۔ ساتھ ایک نہ ایک دال یا چاول۔ صالحہ بیگم ایک ذمہ دار اور سمجھ بوجھ کی حیثیت سے نشاط سے مطمئن تھیں۔ ایک گھنٹے میں ہی اس نے سارا گھر سمیٹ لیا۔ کھانا تقریباً" تیار تھا اور واشنگ مشین بھی لگ چکی تھی۔ اتنے میں کام والی بھی آگئی۔ کپڑوں کی دھلائی کے ساتھ ساتھ وہ اس کے پیچھے لگی صفائی کروائی رہی۔

"آج میٹھے میں کیا بنا رہی ہو؟"

انہوں نے نشاط کی ناراضی ختم کرنے کے لیے پہل کرتے ہوئے بات چیت کا آغاز کیا' ورنہ وہ ایسے سوال ہی کیا کرتیں۔ وہ کیا پکاتی ہے' کیا کرتی ہے' اس معاملے میں دخل دینا انہوں نے شادی کے ایک آدھ ہفتے بعد ہی ترک کردیا تھا۔ اس لیے نہیں کہ نشاط نے ان پہ ناگواری کا اظہار کیا تھا بلکہ اس لیے کہ وہ گھر بار سنبھالنے کی پوری طرح اہل تھی۔ اپنے مزاج کی سختی کو اس نے گھریلو فرائض کی بجاآوری میں کبھی آڑے نہ آنے دیا تھا۔ جیسے ابھی بھی سعید صاحب سے تلخی سے نمٹنے کے بعد بھی وہ ان کا پرہیزی کھانا اہتمام سے پکا رہی تھی اور ان کے دھلنے والے کپڑے ان کے کمرے سے سمیٹ کر لائی تھی۔ ان کے بستر کی چادر بھی آج صرف کشن ڈبناؤں گی۔ کپڑے دھوتی ہوں تو تھک بھی جاتی ہوں اور وقت بھی کم لگتا ہے' بلکہ تو پرسوں سے گجریلے کی فرمائش کررہے ہیں بنادیتی ہوں گجریلا' ٹھیک ہے۔ موسم کی سوغات بھی ہے اور پانچ سات کلو دودھ کا بن جائے تو چار دن چل بھی جاتا ہے۔"

"آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں امی! میں کل بنالوں گی۔"

"کیوں' میں کیا بنانا نہیں جانتی؟ تم نے ماشاءاللہ سارا گھر سنبھال رکھا ہے۔ مجھے کچن میں کچھ کرنا نہیں پڑتا مگر ایسا نہیں ہے کہ میں سب بھول بھال گئی ہوں۔ اتنا ہی لذیذ گجریلا بناؤں گی جیسا تم بناتی ہو۔"

وہ خوش دلی سے کہنے لگیں تو نشاط سے بھی مزید رکھائی سے نہ بولا گیا۔

"میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ مسلسل کھڑا ہونا پڑے گا۔ چھچہ ہلانا پڑے گا۔ آپ تھک جائیں گی اور پھر گاجریں۔۔۔"

"کون سا ہاتھ سے کش کرنی ہیں' مشینیں ہیں تو سہی ہر کام آسان کرنے کے لیے۔ تم سکون سے دھلائی کا کام نمٹاؤ' میں بناتی ہوں۔"

انہیں کچن میں جاتا دیکھ کے نشاط نے دھلائی کا کام مزید پھیلانے کا سوچا اور صوفوں سے کشن کورز تک اتار لیے۔ جانتی تھی کہ اب وہ کچن میں ہیں تو دم پہ رکھے سالن وغیرہ بھی دیکھ لیں گی۔ اسے ایک پیر کچن میں اور ایک صحن میں نہیں رکھنا پڑے گا۔ کچھ یہ جلدی بھی تھی کہ کام سب نمٹ جائیں تو وہ بچوں کے کالج اور اسکول سے آنے سے پہلے پہلے فرزانہ کے ہاں سے بھی ہو آئے۔ مگر کام کرتے کرتے اتنا وقت ہو ہی گیا کہ حمزہ کے آنے میں بس چھ سات منٹ رہ گئے تھے۔

وہ توا گرم ہونے کے لیے چولہے پہ اور آٹا نرم ہونے کے لیے فریج سے نکال کر سلیب پہ رکھنے کے بعد شاور لینے گھس گئی۔ دس منٹ میں اس کام سے بھی فراغت حاصل کی اور تولیہ سر پہ لپیٹ کر روٹیاں پکانے لگی۔ ادھر پہلی روٹی توے پہ ڈالی' ادھر حمزہ کی اسکول بس کا ہارن سنائی دیا۔ اس کے یونیفارم بدلنے تک وہ آخری روٹی توے سے اتار چکی تھی۔ آج کی ساری پھرتی اور مستعدی اس کے تک موڈ کی دین تھی۔ جس دن اس کا موڈ خراب ہوتا' اس دن ہاتھوں کی رفتار خود بخود بڑھ جایا کرتی۔ اور پھر حمزہ نے کھانے کے دوران ایک نیا ذکر چھیڑ کے اس کے پہلے سے خراب موڈ کو اور بھی خراب کردیا۔

"تمہیں اچھی طرح پتا ہے کہ میں اس طرح کی پکنک اور ٹورز کی پرمیشن کبھی نہیں دے سکتی پھر تم نے یہ بات میرے سامنے کی ہی کیوں۔"

"ممی! ساری کلاس جارہی ہے۔"

"ہر سال جاتی ہے۔ تم ناننتھ میں آچکے ہو' اس سے پہلے کبھی میں نے تمہیں جانے دیا ہے جو اب جانے دوں۔"

"اب میں بڑا ہوچکا ہوں ممی! دادو پلیز۔۔۔" اس نے مدد طلب انداز میں صالحہ بیگم کی جانب دیکھا۔ وہ نظریں چرا گئیں۔ کئی بار انہوں نے دبے الفاظ میں حمزہ کے اسکول ٹور پہ جانے کی حمایت کرنا چاہی تھی مگر نشاط کو اپنی اولاد کے معاملے میں صرف اپنی من مانی کرتے دیکھ کے پھر چپ سادھ لی۔ اب وہ ایسے کسی معاملے میں کچھ نہیں کہتی تھیں۔

"کوئی بڑے نہیں ہوئے تم۔ اخبار میں پڑھتے نہیں ہو' اسکول کے ساتھ جانے والے بچوں کے ساتھ بھی کیا کچھ نہیں ہوتا۔ کوئی خیال رکھ سکتا ہے علاوہ ماں کے۔ بس تم کل منع کردینا ٹیچر کو۔"

"میں منع نہیں کروں گا۔ میرے سب فرینڈز جارہے ہیں۔" وہ ضدی ہوا۔

"جاتے رہیں۔ انہیں پوچھنے والا یا ان کی پروا کرنے والا کوئی نہیں ہوگا مگر میں تمہیں ہرگز نہیں جانے دوں گی۔ رہے پیسے تو کل ہی لے جانا پانچ سو اور جمع کرادینا مگر جانے کا نام مت لینا دوبارہ۔ اچھا۔۔۔ تم رہنے دو۔"

پھر کوئی خیال آنے پہ وہ خود منع کرنے لگی۔

"کل میں خود جاتی ہوں تمہارے اسکول۔ بات کرتی ہوں تمہاری ٹیچر سے۔ کیا تماشہ لگا رکھا ہے۔ پڑھانے کے لیے بھیجتے ہیں ہم بچوں کو۔ پڑھانا ہے تو پڑھائیں' نئی نئی لت نہ لگائیں۔ پیسے اکٹھے کرنے کا ڈھونگ۔۔۔"

"پلیز ممی! ایسا مت کریں۔" وہ گھبرا گیا۔ "پلیز آپ اسکول آکر ٹیچر سے ایسا کچھ مت کہیں۔ میرا مذاق بن جائے گا۔ سب کیا کہیں گے۔"

اس کے روہانسا ہوکے یہ کہنے پہ نشاط کو اور غصہ آگیا۔

"کون مذاق بنائے گا' ہے کسی میں ایسی جرات۔ ایک ایک کو دیکھ لوں گی۔ تم تو ہو ہی بدھو' گھامڑ' دبو۔ مذاق کرنے والوں کا منہ کیوں نہیں توڑ دیتے۔"

"ماشاءاللہ۔۔۔ سبحان اللہ۔۔۔" سعید صاحب طنزیہ لہجے میں کہتے اندر داخل ہوئے۔ "ماں کی جانب سے چودہ سالہ بیٹے کو دوسروں کے منہ توڑ دینے کی تربیت دی جارہی ہے۔ واہ۔۔۔ یہ وقت بھی آنا تھا۔"

نشاط چپ رہی مگر آنکھوں ہی آنکھوں میں حمزہ کو یہ ذکر دوبارہ چھیڑنے سے باز رہنے کی تنبیہہ کی جو سعید صاحب کی نظروں سے چھپی نہ رہ سکی۔

"کیا بات ہے بیٹا! چہرہ کیوں اترا ہوا ہے اور کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟ تمہارے پسند کے کوفتے بنے ہیں۔"

حمزہ نے بے دلی سے ہاتھ میں رکھا نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا اور پانی پینے لگا۔

"باپ کی قسمت میں ناشتہ نہیں ہے اور بیٹے کی قسمت میں دوپہر کا کھانا نہیں۔ اس کے غریب دادا کو کچھ ملے گا یا نہیں۔"

نشاط نے چپ چاپ ان کے پرہیزی کھانے کا ڈونگا آگے بڑھا دیا کہ شاید کھانے کی وجہ سے ہی وہ کچھ دیر چپ رہیں مگر دو تین لقمے اندر اتارنے کے بعد وہ پھر سے سن گن لینے لگے۔

"اس کے اسکول کا ٹرپ چھانگا مانگا جارہا ہے۔"

بار بار کے استفسار پہ صالحہ بیگم نے ہلکی آواز میں بتایا۔

"تو مسئلہ کیا ہے؟" مسئلے سے اچھی طرح واقف ہونے کے باوجود انہوں نے محض بات بڑھانے کی خاطر سوال کیا اور حمزہ کو بولنے پہ آمادہ نہ پاکے خود ہی کہنے لگے۔

PakSociety Photo.com

"پاکٹ منی کا پرابلم ہے؟ میں کہہ دوں گا خالد سے۔ بلکہ میری طرف سے الگ خرچہ ملے گا ٹھیک۔ اب میرے بیٹے کو منہ لٹکانے کی ضرورت نہیں۔ تم بس تیاری کرو۔"

ان کی بات کا خاطر خواہ اثر ہوا اور حمزہ پھٹ پڑا۔

"پاکٹ منی کا میں کیا کروں گا' جب جانے کی پرمیشن ہی نہیں مل رہی۔ میں کبھی بھی کہیں نہیں جا سکتا۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔"

"آہستہ بولو حمزہ!" نشاط نے ڈپٹ کر اسے خاموش کرایا۔

"کہاں نہیں لے کر جاتے ہم تمہیں؟"

"مگر اسکول ٹرپ پہ فرینڈز کے ساتھ۔"

"تم نہیں جاؤ گے' ہرگز نہیں جاؤ گے۔ بس میں نے کہہ دیا۔"

شاید سعید صاحب اس بحث کو طول دیتے مگر صالحہ بیگم نے ان کا ہاتھ دبا کے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"ایک تو روشانے کی فکر چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی۔ تین بجنے والے ہیں اور اس کا کچھ پتہ نہیں۔"

نشاط نے حمزہ کو چپ کرانے کے بعد پلیٹ میں اپنے لیے سالن نکالا مگر ایک لقمہ تک نہ توڑا اور وال کلاک میں ٹائم دیکھتے ہی پریشانی کے عالم میں کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی اور باہر جھانکنے لگی۔

"اس کی کلاسز دو بجے ختم ہوتی ہیں۔ کلاس روم سے نکلنے' گیٹ تک پہنچنے اور وین میں بیٹھنے تک پندرہ منٹ اور لگ جاتے ہوں گے۔ کالج سے یہاں تک کا راستہ بیس منٹ کا ہے۔ ٹریفک اس وقت زیادہ ہونے کی وجہ سے تیس منٹ لگا لو اور پھر وین والے کو راستے میں اور لڑکیاں بھی اتارنا ہوتی ہیں۔ تین سے اوپر کا وقت ہو ہی جاتا ہے پھر تم روز ہونے تین بجے ہی کیوں پریشان ہونا شروع ہو جاتی ہو۔"

سعید صاحب کے کہنے پہ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"بیٹا! وہ ہماری بھی بیٹی ہے۔" صالحہ نے نرمی سے سمجھایا۔ "اور تم بھی ہماری بیٹی ہو۔ تمہیں کیا اس پریشان آنے والی ہو کی خبر ہے۔"

ان کے نرمی سے کہنے کا اتنا اثر ہوا کہ وہ بیٹھ تو گئی مگر کھانا کھانے کے بجائے بس بار بار گھڑی دیکھتی رہی۔ یہ خاموشی بس سات منٹ تک رہی۔ ادھر سوئی نے بارہ کا ہندسہ عبور کیا ادھر اس کے عارضی صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"دیکھا' تین بج گئے۔ صبح یہ نامراد سب سے پہلے لینے پہنچا ہوتا ہے' چھوڑتا آخر میں ہے۔ پتہ نہیں کون کون سے سنسان راستوں سے لاتا ہو گا میری اکیلی بچی کو۔"

"کیا فضول باتیں کر رہی ہو۔ کیسے سنسان راستے؟ اگر وہ سب سے آخر میں بھی اترے تو دو بچیاں تو پچھلی گلی کی ہیں۔" سعید صاحب جھنجلا گئے۔

"مجھے تو اس دین والے کی نہ نظر ٹھیک لگتی ہے' نہ نیت۔"

"لاحول ولا۔ بھئی تم سے زیادہ عمر اور تجربہ ہے میرا۔ بندے کو ایک نظر میں پہچان لیتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ کہ وہ ڈرائیور اپنے خالد کی عمر کا ہے۔ کوئی لونڈا لپاڑا نہیں ہے۔ دوسرا داڑھی محراب والا شخص ہے۔"

"پتہ نہیں۔ آپ کو اس کا محراب نظر آیا' وہ گانے نہیں سنے جو وہ صبح سویرے لگاتا ہے۔" اس نے جتایا۔

"بھئی سب تمہاری ساس کی طرح نہیں ہوتے جو اللہ سے اتنی لو لگا لیں کہ دنیا ہی بھول جائیں۔ کچھ دین اور دنیا کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ اذان ہوئی تو وضو کر کے مسجد بھاگے' نماز کا فریضہ ادا کر کے آئے تو بے ضرر سے شوق پورے کر لیے۔"

وہ بیگم کو دیکھ کر مزاحیہ انداز میں کہنے لگے جن کی نظروں سے بے زاری واضح جھلک رہی تھی۔ نشاط بھی کچھ جھنجلا کر کچھ کہنے لگی۔ اتنے میں روشانے کی وین کا ہارن سنائی دیا۔ وہ پلیٹیں ہاتھ سے رکھ کر اٹھ گئی۔

"ابو! آپ نے ہی کہا ہے آپ کو کہ ذرا ویٹ کیجیے۔"

صالحہ بیگم نے جلدی سے کہا۔

"بھئی نہیں رہا جاتا۔" سعید صاحب مسکرائے۔ "اچھی خدمت گزار' نیک بہو ملی ہے۔ بس اس معاملے میں ذرا۔ میرا مطلب ہے اس کی ایک ناپسندیدہ عادت سے نباہ کرنا ایسا بھی مشکل نہیں مگر آپ ہیں کہ۔"

"اوہو تم سمجھیں نہیں۔ میں تو اس کا دھیان اس فکر سے ہٹانے کے لیے کوئی بحث چھیڑتا ہوں۔ اب دیکھو باہر گئی اور وہیں رہ گئی۔ بے چارے دین والے کی بھی آئی ہوئی۔ میں دیکھتا ہوں۔" وہ اٹھنے لگے۔

"کس کی بھی نہیں آتی ممی کے ہاتھوں۔" حمزہ دبی دبی آواز میں بولا۔ "آپی بتا رہی تھیں' دین کی سب لڑکیاں ممی کی وجہ سے ان کا مذاق اڑاتی ہیں۔" صالحہ بیگم اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

"آپ کل سے گاڑی گھر چھوڑ کے جائیں۔"

رات کو اس نے خالد صاحب سے مطالبہ کیا تو وہ حیران رہ گئے۔

"کیوں' اب گاڑی کو کیا ہوا ہے؟ اس کے بھی بگڑنے کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے تمہیں؟ فکر مت کرو' گاڑی کو باہر جانے سے زمانے کی ہوا نہیں لگے گی۔ میں اس پہ خاص نظر رکھتا ہوں۔"

"مذاق میں مت ٹالیں۔ آپ کل سے دین یا بس میں جائیں یا پھر بائیک لے لیں۔ یا لیزنگ پہ نئی کار نکلوا لیں۔"

"یا اللہ خیر۔ آج تم خود سے پیسہ خرچ کرنے کے مشورے دے رہی ہو اور وہ بھی ایسے جن پہ عمل کرنا محال ہے۔ میرا بجٹ ان مخلصانہ مشوروں پہ عمل کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔"

"اور میں بھی اب روشانے کو انجانے بگانے ڈرائیوروں کے سپرد کرنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ میرا دل بہت کمزور ہو چکا ہے۔ بلڈ پریشر بھی ہائی رہنے لگا ہے۔ ایسے میں میں ہر روز اس کے دیر سے آنے کی ٹینشن نہیں سہار سکتی۔ تین بجے سے اوپر وقت ہوتا ہے تو مجھے لگتا ہے جیسے ابھی میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔"

"اوہو۔" وہ فکر مند ہو گئے۔ "کل میں ڈاکٹر سے ٹائم لے لیتا ہوں۔"

"آپ پھر مذاق میں ٹال رہے ہیں۔"

"مذاق نہیں کر رہا۔ تمہیں واقعی ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے۔ علامات اچھی نہیں ہیں۔"

"آپ وہ کیجیے جو میں کہہ رہی ہوں۔ آخر میں نے ڈرائیونگ کس لیے سیکھی تھی۔ میں خود روشانے کو چھوڑنے اور لانے جایا کروں گی۔"

"ڈرائیونگ سیکھ لینا کافی نہیں ہے نشاط!" بالآخر وہ سنجیدہ ہوئے۔ "تمہیں پریکٹس نہیں ہے۔ ویسے بھی تم کمزور اعصاب کی مالک ہو۔ جلدی نروس ہو جاتی ہو۔ تم کبھی بھی اچھی ڈرائیونگ نہیں کر سکتیں اور نشاط کو کالج سے لانے کے لیے تمہیں دوپہر دو بجے کے قریب وارث روڈ' چوبرجی' مزنگ اور پھر جیل روڈ سے گزرنا پڑے گا اور اس وقت وہاں ٹریفک کا کیا حال ہوتا ہے' تم اندازہ نہیں کر سکتیں۔ یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ کو میری بات ماننا ہو گی۔"

"بچوں جیسی ضد مت کرو بلکہ اس گھر میں بچے بے چارے ضد کرتے ہی کہاں ہیں۔ حمزہ کو کیوں ناراض کیا ہے تم نے؟" انہیں اچانک یاد آیا اور موضوع تبدیل ہو گیا۔ اب نشاط پھر سے اپنا موقف زور و شور سے دہرا رہی تھی۔

"تمہاری سب باتیں درست مگر اب حمزہ کو اس نظر سے دیکھنا ترک کر دو۔ وہ سات آٹھ سال کا بچہ نہیں ہے۔ ماشاء اللہ اب میرے کاندھوں سے اونچا ہونے لگا ہے۔ پہلے تمہاری ضد کی وجہ سے وہ کتنے ہی سال گھر کے سامنے والے معمولی سے اسکول میں پڑھتا رہا کیونکہ تمہارا دل راضی نہیں ہوتا تھا اسے زیادہ دور بھیجنے کو۔ یہاں تم دن میں کئی بار جا کے اس کی کلاس روم میں جھانک سکتی تھیں کہ اس کی ٹیچر اسے ڈانٹ تو

UrduPhoto.com

نہیں رہی' کوئی دوسرا بچہ مار تو نہیں رہا۔ کسی اچھے اسکول میں پڑھا ہو تا تو بنیاد اچھی بنتی۔ میں نے لاڈلو کے پچھلے سال اسے اس ہائی اسکول میں داخل کرایا۔ اسے اب میٹرک میں ہونا چاہیے تھا مگر انٹری ٹیسٹ میں کم مارکس آنے کی وجہ سے اسے تب ناننھ میں ایڈمیشن نہیں ملا۔ یہ تو معیار تھا اس دو کمروں کے اسکول کا۔ بچے کی تعلیم پہ کتنا برا اثر پڑا اور اب تم اس کے اعتماد کو نقصان پہنچا رہی ہو۔ وہ چھوٹا اسکول تھا اس کی میڈم اور میٹرک پاس ٹیچرز تمہارے رعب میں تھیں مگر یہاں ڈیڑھ دو ہزار بچے پڑھتے ہیں۔ اپنے چالیس پچاس کلاس فیلوز میں سے صرف ایک وہ نہ جا سکا تو اسے بہت محسوس ہوگی۔ وہ سب بھی اپنی ماؤں کے بچے ہیں۔ اس طرح کوئی بھی پروں میں دبوچ کے نہیں رکھتا۔ اسے دوستوں کے سامنے شرمندہ۔"

"دوست بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی اسے۔" نشاط نے ان کے سمجھانے کا ذرا اثر نہ لیتے ہوئے صرف آخری جملے پہ ردعمل ظاہر کیا۔

"کیا تمہاری خاطر جوگ لے لے وہ۔" وہ بھڑک اٹھے اس کی بات پہ۔

"چودہ پندرہ سال کا جوان ہوتا بچہ ہے۔ دوست اب بھی نہ بنائے گا' باہر نہیں جائے گا۔ لوگوں سے نہیں ملے گا تو دنیا کو کیسے سمجھے گا۔ اسے کل کو میرا باؤنڈ بنتا ہے' تم تو اسے بالکل ناکارہ کردو گی۔ ابھی وہ خود دنیا کو دیکھنا چاہتا ہے مگر تمہاری وجہ سے کہیں وہ عادی ہو گیا دنیا سے کٹ کے جینے کا تو اسے کتنی پریشانی ہو سکتی ہے پریکٹیکل لائف میں۔ اس کا تمہیں اندازہ نہیں۔ مگر میں یہ سب کے کہہ رہا ہوں؟ تم پہ آج تک کسی بات کا اثر ہوا ہے جو اب ہوگا۔"

انہوں نے تنبیہ کی اور [illegible] مگر اگلے ہی سیکنڈ دوبارہ اس کی طرف [illegible] بولے [illegible] مانی کرنے کی اجازت دے رہا ہوں۔ بہت برداشت کرلی تمہاری ضد۔ چلے [illegible]

چھوٹے ہیں' تم ان کی بہتری اور حفاظت کے لیے اتنی سختی کرتی ہو مگر اب نہیں۔ بس بہت ہو گیا۔ وہ بڑے ہو رہے ہیں۔ انہیں تباہ مت کرو' خدا کا واسطہ ہے۔" انہوں نے ہاتھ جوڑے اور پھر کروٹ لے لی۔

نشاط کے آنسو چپ چاپ بہنے لگے۔

"کیا میں انہیں تباہ کر رہی ہوں۔ میں۔۔۔؟ ایک ماں۔۔۔؟ میں انہیں تباہ کر سکتی ہوں۔۔۔؟ میں تو انہیں تباہ ہونے سے بچانا چاہتی ہوں۔ تم نہیں جانتے خالد! جو دنیا تم بچوں کو دکھانا چاہتے ہو' وہ دنیا ان بچوں کو کیا کچھ دکھا سکتی ہے۔" وہ دیر تک روتی رہی۔

☆ ☆ ☆

فرزانہ کے ہاں جاتے ہوئے اس کے گھر سے چند قدم پہلے ہی ساری نصیحتیں' سارے ڈراوے ذہن میں ترتیب دے لیے تھے جن سے اسے فرزانہ کو خوف زدہ کرنا تھا اور ایک جوان کنوارے اجنبی لڑکے کو تین بیٹیوں کی موجودگی میں بطور کرایہ دار رکھنے کے نقصانات سے آگاہ کرنا تھا مگر اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی وہ ساری تقریر اس کے دماغ سے زقند بھر کے نکل گئی۔ چھوٹے سے لان میں اس کے دونوں بیٹے اور دونوں بیٹیاں اسی لڑکے کے ساتھ کرکٹ کھیل رہے تھے۔ لڑکا تقریباً اٹھارہ انیس سال کا تھا۔ یعنی فرزانہ کی سب سے بڑی بیٹی کا ہم عمر۔ اس کی دونوں چھوٹی بیٹیاں اور بیٹے جو اس وقت کھیل رہے تھے' ان میں بیٹیاں سولہ اور نو سال کی جبکہ بیٹے چودہ اور بارہ سال کے تھے۔

"ارے نشاط۔۔۔ آؤ نا۔۔۔ بڑے دن بعد آئیں۔" فرزانہ اندر سے ٹرے اٹھائے نکلی اور اسے ہکا بکا دیکھ کر آواز دی۔

"لو بچو۔۔۔ کینو کھاؤ۔۔۔ بس کرو اب کھیل۔۔۔ دو گھنٹے سے آگئے ہیں کھیلتے ہوئے۔" اس نے بچوں سے کہا۔ نشاط اب اس لڑکے کو کڑے تیوروں سے گھور رہی تھی جو کمال بے تکلفی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"بس مونو۔۔۔ ایک کینو لینا ہے۔" لڑکے نے چھوٹی والی کی پونی کھینچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"نشاط! یہ رہبر ہے۔۔۔ بڑا اچھا بچہ ہے۔" فرزانہ نے تعارف کرایا۔

"السلام علیکم آنٹی!" نشاط نے سرسری انداز میں سلام کا جواب دیا۔

"آپ سامنے رہتی ہیں نا۔ سعید انکل کے ہاں۔" اس سوال کا جواب اس نے سرسری سا دینا بھی گوارا نہ کیا اور رخ پھیر کے فرزانہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تمہیں کرایہ دار رکھنے کی کیا ضرورت آن پڑی؟" اس کے براہ راست سوال پہ فرزانہ' رہبر کی موجودگی کی وجہ سے سٹ پٹا گئی مگر نشاط کو بھلا اس کل کے لونڈے سے کیا ڈر یا لحاظ تھا۔

"اور وہ بھی اکیلا۔۔۔ چھڑا چھانٹ۔۔۔ زمانہ کتنا خراب ہے' کچھ پتہ بھی ہے۔"

رہبر کھسیانہ ہو کے بیٹ گھماتا سائیڈ پہ ہو گیا اور خود ہی کھیل ختم کرنے کا اعلان کرنے کے بعد اب پھر فرزانہ کے بیٹوں کو باؤنگ کرانے کا اشارہ کر رہا تھا۔ فرزانہ کے چہرے کے تاثرات بھی صاف کہہ رہے تھے کہ اسے نشاط کی بات پسند نہیں آئی۔

"کیا کہہ رہی ہو نشاط۔۔۔ اور وہ بھی۔۔۔ رہبر کے سامنے۔" اس نے ہلکی آواز میں ناراضی جتائی۔

"مجھے اس کا ڈر پڑا ہے؟ مجھے تو تمہاری فکر ہے۔ ویسے یہ فیصلہ کس کا تھا؟ تم تو کر نہیں سکتیں۔ آخر ماں کچھ تو ذمہ دار ہوتی ہے۔ ضرور تمہارے میاں نے دو تین ہزار کے لالچ میں۔۔۔"

"بس کرو نشاط!" فرزانہ ویسے بھی نشاط کو خاص پسند نہ کرتی تھی۔ وہ تو اتنے سالوں کی محلہ داری تھی اور کچھ یہ بھی کہ آس پاس کے چند گھروں میں فرزانہ کی ہم عمر صرف وہی تھی اور اسی گھرانے سے ان لوگوں کے سب سے اچھے مراسم بھی تھے۔ سعید صاحب سے اس کے سسر کے' خالد صاحب کے اس کے شوہر سے۔ اس لیے وہ نشاط سے میل جول رکھنے پہ مجبور تھی' ورنہ کبھی کبھی اس کی حد سے بڑھتی دخل اندازی اور نکتہ چینی اسے سخت گراں گزرتی تھی۔

"ہم کیوں لالچ کرنے لگے؟ تین ہزار کے لیے ترسے نہیں بیٹھے تھے اور یہ فیصلہ میں کروں یا میرے میاں' تمہیں کیا اعتراض ہے۔ ہمارا گھر ہے' ہم نے مرضی کرائے پہ دیے۔"

"یوں مرضیاں تمہیں چلتیں فرزانہ بی بی!" نشاط کا مزاج تو یوں بھی سوا نیزے پہ رہتا تھا' فوراً بھڑک کے بولی۔

"گھر ہے بے شک تمہارا ہو گا مگر تم اس گلی میں اکیلی نہیں رہتی ہو۔ بالکل سامنے والا گھر ہمارا ہے۔ تمہاری طرح ہمارے بچوں کے کمرے بھی اوپر کے پورشن میں ہیں۔ تم نے پتہ نہیں کیسے لڑکے سر پہ بٹھا لیا ہے۔ سارا سارا دن چھت سے لڑکا تاک جھانک کیا کرے گا' میری بچی کا تو کمرے سے نکلنا محال ہو جائے گا۔"

"ہوا تو نہیں نا۔۔۔ تم نے تو بغیر وجہ کے جھگڑا شروع کر دیا۔ میں بھی سوچ رہی تھی کہ یہ نشاط صاحبہ آج کیسے گھر سے نکل پڑیں۔ دیکھو' یہ لڑکا غیر نہیں' میرے بھائی کی سالی کا بیٹا ہے' جانا پہچانا ہے۔ یہاں داخلہ لیا تو میں نے اپنے گھر ٹھہرانے کا کہہ دیا مگر یہ اور اس کے ماں باپ بہت رکھ رکھاؤ والے لوگ ہیں' شرط رکھ دی کہ رہے گا تو کرائے پہ' ورنہ نہیں۔ کسی ایرے غیرے کو تو میں کبھی نہیں رکھ سکتی تھی۔" ناچار اسے وضاحت دینا پڑی۔

"سوچ تو اچھی طرح' میرا فرض تھا تمہیں سمجھانا۔" نشاط بے دلی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "آج کل کس پہ بھروسا کیا جا سکتا ہے بھلا۔ میں تو کہتی چاچا زاد اور خالہ زادوں کے ساتھ بھی بیٹیوں کا میل جول بڑھانے کے حق میں نہیں ہوں۔ چلو' تم نے اسے رکھا' سو رکھا مگر بچوں کے ساتھ بے تکلف بھی کر دیا؟"

"بچے پہلے سے اس کے دوست ہیں۔ بتایا تو ہے میرے بھائی کا رشتہ دار ہے۔" فرزانہ نے رکھائی سے کہا اور کھڑی ہوئی نشاط کو تکلفاً بھی کچھ دیر اور رکنے کا نہیں کہا۔ گھر آ کے اس نے ساری بھڑاس ساس کے سامنے نکالی۔

"یہ کوئی طریقہ ہے' جوان بچیاں اس لونڈے کے ساتھ کرکٹ کھیل رہی تھیں اور ماں مزے سے بیٹھی

دیکھ رہی تھی۔"

"چلو' سامنے ہی تھی۔ یہ اچھی بات ہے کہ بچوں کو اپنی نظر کے سامنے تھوڑی بہت چھوٹ دے دی۔"

"یہ تھوڑی بہت چھوٹ ہی آگے چل کے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ اس کے بیٹے اس لڑکے سے کافی چھوٹے ہیں پھر دوستی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں تو کبھی حمزہ کو اس سے دو تین سال بڑے لڑکوں سے دوستی نہ کرنے دوں۔ وہ خرانٹ لڑکے نجانے اسے کیسی بری بھلی باتیں سکھائیں۔"

صالحہ بیگم نے بجائے کوئی اختلاف کرنے یا تائید میں سر ہلانے کے آنکھیں موندیں اور تسبیح کے دانے گرانے لگیں۔ نشاط الجھتے ہوئے اٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"کیا کر رہے تھے؟" نشاط اندر آئی تو کسی اور کام سے تھی مگر اب ٹھٹک کے پوچھنے لگی۔

"ٹی وی دیکھ رہا ہوں۔" حمزہ نے بجھے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ وہ آج پہ گھر تھا۔ ہمیشہ کی طرح نشاط نے اس بار بھی اپنی من مانی کی تھی اور وہ باپ اور دادا کی بھرپور حمایت کے باوجود ٹرپ کے ساتھ نہیں جا سکا تھا اور اب صبح سے منہ پھلائے کمرے میں بیٹھا تھا۔

"ٹی وی تو دیکھ رہے ہو مگر مجھے اندر آتے دیکھ کے فوراً" چینل کیوں چینج کیا۔" وہ تفتیش کرنے لگی جس سے حمزہ جھلا گیا۔ وہ مزاجاً" ماں اور باپ دونوں کی تلخی اور گرمی لیے ہوئے تھا۔ اپنی بہن روشانے کی طرح اندر ہی اندر کڑھتے رہنے اور خاموشی سے رعب میں آجانے کے بجائے اکثر اپنی جھلاہٹ اور ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا کرتا تھا۔

"آپ کو دیکھ کے نہیں کیا' میں ویسے بھی چینل چینج کر رہا تھا۔ اتنے میں آپ آگئیں۔" بہت مشکل سے اس نے لہجہ نارمل رکھتے ہوئے وضاحت کی مگر نشاط کی تشفی نہ ہوئی۔

"وہی تو پوچھ رہی ہوں' کیوں چینج کیا تھا؟"

"یہ کیا سوال ہوا؟" وہ ریموٹ پھینک کر کھڑا ہو گیا۔

"بدتمیزی مت کرو۔" اس نے گھور کے اسے دیکھا۔ "ایک تو میرا کہنا نہیں مانتے' اوپر سے تیور دکھا رہے ہو؟"

"کب نہیں مانتا۔ آپ کا کہنا مان کے ہی گھر میں بیٹھا ہوا ہوں۔"

"اور وہ جو میں نے کہا ہے کہ تم کارٹونز کے علاوہ کچھ نہیں دیکھو گے؟"

"فار گاڈ سیک ماما۔۔۔" وہ روہانسا ہو گیا۔ "میں کب تک صرف کارٹونز دیکھوں گا۔ میں اب بڑا ہو گیا ہوں۔"

"اپنے بڑے ہونے کا رعب مجھ پہ مت ڈالو اور صرف کارٹونز دیکھنے کی پابندی دن تک محدود ہے۔ یعنی اکیلے میں۔ رات کو ہم سب مل کر ٹی وی دیکھتے ہیں یا نہیں؟ کوئی اچھی مووی آتی ہے تو میں خود تمہارے ساتھ بیٹھ کے دیکھتی ہوں یا نہیں؟"

"ہاں دیکھتے ہیں رات کو ٹی وی۔۔۔ آپ کی پسند کے فضول ڈرامے۔ ساس بہو والے اور وہ فلمیں۔۔۔ جو پہلے آپ خود دیکھتی ہیں پھر اگر آپ کی مرضی ہو تو اگلے دن ہمیں ساتھ بٹھا کے دکھاتی ہیں اور چونکہ خود دیکھ چکی ہوتی ہیں' اس لیے نہ صرف ساتھ ساتھ اسٹوری سناتی ہیں بلکہ بار بار فارورڈ بھی کرتی جاتی ہیں۔ یہ پڑا ہے ریموٹ' آپ بے شک ٹی وی اٹھا کے باہر لے جائیں۔ مجھے نہیں دیکھنا۔"

وہ اٹھا اور واش روم میں گھس گیا۔ دروازہ ایک دھماکے سے بند ہوا تھا۔

وہ جو اس کی فراٹے بھرتی زبان دیکھ کے ششدر کھڑی تھی' ایک جھٹکے سے چونکی پھر باتھ روم سے عجیب سی آوازیں آنا شروع ہو گئیں جیسے وہ دیواروں پہ زور زور سے ٹھوکریں مار کے اپنا غصہ نکال رہا ہو۔

"یہ کیسی آواز ہے حمزہ؟" سعید صاحب کا کمرہ برابر والا تھا' اس لیے سب سے پہلے وہ بھاگے آئے۔

"حمزہ اندر ہے۔" نشاط نے گلوگیر آواز میں کہا اور واش روم کی جانب اشارہ کیا۔ "میرا غصہ دیوار

نکال رہا ہے' مجھے نہیں پتہ تھا کہ میری اولاد کے دل میں میرے لیے اتنی نفرت اور بے زاری ہے۔" وہ وہیں بیٹھ کے رونے لگی۔ سعید صاحب نے رک کے ایک نظر اسے دیکھا پھر سر جھٹک کے واش روم کی طرف بڑھے اور زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگے۔

"دروازہ کھولو حمزہ۔ یہ کیا حماقت ہے۔"

"ابا! اس سے کہیے' چوٹ لگ جائے گی میرے۔" روتے روتے سر اٹھا کے اس نے کہا تو وہ اسے دیکھ کے رو گئے۔ صالحہ بیگم بھی شور سن کے آگئیں۔

"الٰہی خیر' کیا ہوا ہے۔ نشاط کیوں رو رہی ہو۔ حمزہ کہاں ہے؟" ان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"کچھ نہیں ہوا کسی کو۔ یہاں واش روم میں ہے حمزہ! ماں سے کسی بات پہ ناراض ہو گیا ہے۔" سعید صاحب نے خلاف توقع نارمل انداز میں کہا۔ حمزہ نے دروازہ کھول دیا تھا اور سر جھکائے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ اور جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ آنکھوں سے لگ رہا تھا جیسے وہ رو تا رہا ہو۔

"کیا بات ہے برخوردار۔ ان دیواروں کا کیا قصور تھا؟ اور ان پیروں کا کیا قصور تھا جو دونوں کی شامت لے آئے تم۔"

"داداا۔ ممی نے۔ ممی نے مجھے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا اور نشاط نے منہ پھیر لیا کہ اب وہ اس کی شکایتیں لگائے گا اور دادا جی پوتے کی حمایت میں اسے سنائیں گے اور ایسے میں ابھی خالد صاحب آگئے تو انہیں اچھنے کا ایک اور سنہری موقع ہاتھ آجائے گا۔ وہ اس وقت حمزہ کے طرز عمل سے اتنی دل برداشتہ ہو چکی تھی۔ وہ چپ چاپ سر کے لعن طعن سنے گئے۔

"کچھ نہیں ہوا کسی کو۔ یہاں واش روم میں ہے حمزہ! ماں سے کسی بات پہ ناراض ہو گیا ہے۔" سعید صاحب نے غلاف توقع نارمل انداز میں کہا۔ حمزہ نے دروازہ کھول دیا تھا اور سر جھکائے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ اور جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ آنکھوں سے لگ رہا تھا جیسے وہ رو تا رہا ہو۔

"کیا بات ہے برخوردار۔ ان دیواروں کا کیا قصور تھا؟ اور ان پیروں کا کیا قصور تھا جو دونوں کی شامت لے آئے تم۔"

"داداا۔ ممی نے۔ ممی نے مجھے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا اور نشاط نے منہ پھیر لیا کہ اب وہ اس کی شکایتیں لگائے گا اور دادا جی پوتے کی حمایت میں اسے سنائیں گے اور ایسے میں ابھی خالد صاحب آگئے تو انہیں اچھنے کا ایک اور سنہری موقع ہاتھ آجائے گا۔ وہ اس وقت حمزہ کے طرز عمل سے اتنی دل برداشتہ ہو چکی تھی۔ وہ چپ چاپ سر کے لعن طعن سنے گئے تھی۔

"تم نے کیا کہا ہے اسے؟" سعید صاحب نے پہلی بار وہ طریقہ سے ہاں سے پوچھا۔ حمزہ نے پہلی بار وہ حیرت سے انہیں دیکھا۔ وہ

"اگر اسے غلط فہمی ہوئی تو تم آرام سے اس کی غلط فہمی بھی سمجھا سکتے تھے۔ تمہارے دل میں اگر چور نہ ہو تو بھڑکنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہونی چاہیے۔ سوری ماں سے اور آئندہ مجھے تم اپنے ممی پاپا سے اونچی آواز میں بات کرتے سنائی دو اور نہ ایسی فضول بچگانہ حرکت کرتے نظر آؤ۔"

حمزہ شرمندہ شرمندہ سا اس کے پاس آیا تھا۔

"سوری ممی۔ مجھے غصہ آگیا تھا۔"

"بیٹا! غصہ آنا فطری بات ہے' اس پہ اعتراض نہیں ہے۔"

سعید صاحب پیچھے سے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔ "غصے کا یوں برملا اور بلا لحاظ اظہر کرنا غلط ہے۔ کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے سامنے غصہ دبا لینا لازم ہے۔ آئندہ ایسی بے احتیاطی نہ ہو۔ اوکے۔"

"پرامس داداجی۔" حمزہ نے کہا تو نشاط نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے گویا اپنی ناراضی ختم ہونے کا اعلان کیا۔

☼ ☼ ☼

"لبابی۔ چائے۔" کچھ دیر بعد وہ معمول کے مطابق انہیں چائے دینے آئی۔ اس کے انداز میں شرمندگی نمایاں تھی۔ اگرچہ وہ ساری نصیحتیں سعید صاحب نے حمزہ کو کی تھیں اور نشاط کو ذرہ برابر شک نہ تھا کہ اس میں ان کی نیک نیتی کے بجائے کوئی اور جذبہ تھا مگر نہ جانے کیوں اسے لگ رہا تھا جیسے یہ بات در پردہ اسے بھی سنائی گئی ہے۔

"میں بھی تو اپنا غصہ دبانے پہ قادر نہیں ہوں۔ جب بھی لبابی مجھے ٹوکتے ہیں' میں غصہ میں آجاتی ہوں اور ان سے اپنے رشتے کی نزاکت اور ان کی عمر کا لحاظ کیے بغیر بحث کرنا شروع کر دیتی ہوں۔ لبابی نے کتنی اچھی بات کہی۔ مجھے بھی امید کرنی ہوگی۔"

کبھی سب سوچ کر وہ ان سے معذرت کرنے آئی تھی مگر کہنے کی ہمت نہ ہو سکی۔

"ہاں بھئی۔ کچھ کہنا ہے؟" وہ بھانپ گئے۔

"جی۔۔۔ آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا لبابی۔ آپ نے حمزہ کو بہت اچھی طرح سمجھایا' اسے ہینڈل کیا' ورنہ مجھے تو کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔"

"سوجھتا تو تمہیں بہت کچھ ہے۔ ایسے ایسے نادر خیالات آتے ہیں ماشاء اللہ کہ کیا ہی کہنے۔" ان کا لہجہ پھر سے طنزیہ ہو گیا۔ "ایک ماں ہو کے تم اپنے بیٹے سے اتنی بدگمان ہو' اس کے بارے میں ایسے ایسے خدشات رکھتی ہو۔ جوان خون ہے' ٹاکرا تو اسے آنا ہی تھا۔ ہاں طریقہ غلط تھا' بڑے ہونے کے ناتے میں نے ٹوک دیا' سمجھا دیا۔ طریقہ مجھے تمہارا بھی غلط لگا۔"

"آپ مجھے بھی ٹوک سکتے ہیں لبابی۔ سمجھا سکتے ہیں۔ آپ مجھ سے بھی بڑے ہیں۔"

اس نے آہستگی سے کہا۔ سعید صاحب اچنبھے سے اسے دیکھ کے رو گئے۔ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ حمزہ کی حرکت کی وجہ سے وہ کافی دیر روتی رہی ہے۔ انہیں عجیب سا دکھ محسوس ہوا۔ ایسا دکھ جو اب تک وہ صرف روشانے اور حمزہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کے محسوس کرتے رہے تھے اور وہ دکھ انہیں مجبور کرتا تھا کہ وہ نشاط کی سخت گیر طبیعت کے خلاف احتجاج کرتے رہیں مگر آج انہیں نشاط کے آنسو بھی تشویش میں مبتلا کر رہے تھے۔ وہ چائے کا کپ ان کے سرہانے رکھ کے چلی گئی تو وہ سنجیدگی سے سوچنے لگے۔

"کیا عمر ہوگی اس کی تب' جب میں اسے اپنے خالد کے لیے بیاہ کر لایا تھا۔ اٹھارہ یا انیس سال اور اتنے ہی سال اس کی شادی کو بھی ہو گئے ہیں مگر دیکھنے میں کتنی عمر کی لگنے لگی ہے۔ اس کی وجہ شاید اس کے یہی تفکرات ہیں۔ ہر وقت کی ٹینشن۔ یہ نہ صرف اپنے باشعور ہوتے حساس بچوں کی نشوونما اور ذہنی حالت کو نقصان پہنچا رہی ہے بلکہ خود اپنے آپ کو بھی نقصان پہنچا رہی ہے۔" وہ سنجیدگی سے سوچ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

سعید صاحب کے نئے نئے دوست ڈاکٹر کفیل اختر نے ان کی پوری بات سنے بغیر کہا۔ وہ ماہر نفسیات تھے اور ان سے سعید صاحب کی واقفیت دو تین ہفتے قبل ایک مشترکہ دوست کے ہاں ہوئی تھی۔

"مگر اٹھارہ سال کے دورانیے میں تو ہر مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔"

"میرا مسئلہ میری بہو نہیں ہے بلکہ اس کا مسئلہ میرا مسئلہ ہے۔"

"کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔ ذرا تفصیل سے بتائیں سعید صاحب!" سعید صاحب نے نشاط کی تمام عادات' اعتراضات' وہم اور خدشات ان کے سامنے من و عن دہرا دیے۔

"بس یہ مسئلہ ہے۔ پہلے ہم سب اسے اتنی سنجیدگی سے نہیں لیتے تھے کہ ظاہر ہے چھوٹے بچوں کے لیے مائیں حساس ہوا ہی کرتی ہیں۔ اگر وہ حمزہ کو کلاس ٹویا تھری میں اسکول ٹرپ کے ساتھ نہیں بھیجتی تھی' تب یہ اتنا محسوس نہیں ہوتا تھا مگر اب ایک چودہ پندرہ سال کے بچے پر ایسی پابندیاں۔ اور بچی کے لیے تو وہ حد سے بڑھ جاتی ہے۔ اسے اسکول میں دوست بنانے کی اجازت نہیں تھی' نہ ہی اب کالج میں ہے۔ وہ اپنا فون نمبر تک کسی سہیلی کو نہیں دے سکتی۔ تم اندازہ کر سکتے ہو کہ فی زمانہ یہ کس قدر مشکل صورت حال ہوتی ہوگی اس بچی کے لیے۔ اچھی بھلی ذہین' سمجھ دار بچی تھی میری پوتی مگر اب اعتماد سے عاری ایک ڈری سہمی لڑکی نظر آتی ہے۔ بھئی جسے نہ دوست بنانے کی اجازت ہو نہ بغیر ماں کے کہیں آنے جانے کی۔ بغیر ماں کے سے میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ اکیلی کہیں آئے جائے' نشاط اس کا اپنی کسی خالہ' چچی وغیرہ کے ساتھ جانا بھی پسند نہیں کرتی۔ خاندان میں شادی بیاہ پہ بھی مشکل سے بحالت مجبوری ہی کہیں لے جاتی ہے اور وہاں بھی بازو پکڑے بیٹھی رہتی ہے۔ میں روشانے اور حمزہ دونوں کے لیے بہت فکر مند ہوں۔"

"حالانکہ تمہیں اپنی بہو نشاط کے بارے میں فکر مند ہونا چاہیے۔"

"کیا مطلب؟"

"کیونکہ اس وقت زیادہ مشکل دور سے وہی خاتون گزر رہی ہیں۔ وہ کسی قسم کے خوف اور عدم تحفظ کا شکار ہیں۔"

"اس کی وجہ سے ہم سب خوفزدہ رہتے ہیں۔ اسے کیا خوف ہوگا۔ لڑ جھگڑ کے' رو دھو کے وہ ہمیشہ اپنی ہی منواتی ہے۔"

"اس کی کوئی تو وجہ ہوگی۔ پہلے یہ وجہ جاننے کی کوشش کرو۔" اس کے بعد فضیل اختر نے انہیں کچھ اور باتیں سمجھائی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"روشانے! بیٹا تین کپ چائے اندر بھیجنا۔" خالد صاحب نے آواز دی تو وہ جلدی سے کتاب رکھ کے اٹھی۔

"کیبنٹ سے بسکٹ کا پیکٹ نکال لینا اور فریزر سے رول بھی۔ بس کافی ہے۔ حلوہ تو چھیڑنا بھی مت' ورنہ مجھے رات کے لیے منھ دوبارہ مارنا پڑے گا۔"

نشاط نے سلائی مشین سے سر اٹھا کے تاکید کی۔

تھوڑی دیر بعد وہ صالحہ بیگم کا کریہ سینے کے بعد انہیں دکھانے اور ناپ وغیرہ کی تسلی کرانے ان کے کمرے میں چلی گئی۔ واپس آئی تو روشانے خالی ٹرے لے کر ڈرائنگ روم سے نکل رہی تھی۔ نشاط کو آگ ہی تو لگ گئی۔

"تم۔۔۔ تم گئی تھیں چائے دینے؟ حمزہ کہاں ہے؟"

"وہ۔۔۔ وہ سو رہا ہے ممی!" روشانے سہم گئی۔

"تو جگا دینا تھا یا میرا انتظار کر لیتیں۔ تمہیں کیا ضرورت تھی اندر جانے کی۔ پتہ نہیں کون کون تھا اندر۔"

"پاپا کے دوست تھے۔ فرید انکل اور۔۔۔"

"آپ رہنے دیں۔ کبھی انکل کبھی انکل۔ کتنی بار منع کیا ہے خالد کو کہ اپنے دوستوں کو باہر تک محدود رکھیں۔ مگر ہیں کہ مخل لگائے رکھتے ہیں۔ اتنا احساس نہیں کہ گھر میں جوان بچی۔۔۔

"کیا شور مچا رہی ہو بہو۔۔۔" سعید صاحب نے کمرے سے جھانکا۔ "اندر مہمان بیٹھے ہیں اور تم چیخ چلا رہی ہو۔ اگر اندر آواز گئی تو خالد کو کتنی شرمندگی محسوس ہوگی۔ اتنا بھی خیال نہیں ہے؟ اور یہ ہر وقت جوان بچی' جوان بچی کی رٹ لگا رکھی ہوتی ہے بچی ہے' کوئی عذاب نہیں ہے خدانخواستہ۔" انہوں نے نیچی آواز میں ڈپٹا۔

"آپ کو نہیں پتہ ابا جی۔۔۔ خالد کتنی لاپروائی کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہ نہیں ہوا کہ چائے خود آ کر لے جائیں۔ بی کو اتنے مردوں میں بلوا لیا۔"

"وہ اس کے دوست ہیں' خالد کی ہی عمر کے اور۔۔۔" سعید صاحب کہتے کہتے رک گئے۔ نشاط کے چہرے پہ اتنی سراسیمگی اور گھبراہٹ تھی کہ انہیں ترس آنے لگا اور ساتھ ہی ڈاکٹر فضیل اختر کی ہدایتیں بھی یاد آئیں۔ وہ خاموشی سے اندر چلے گئے۔

☼ ☼ ☼

وہ کافی دیر سے بیٹھے اپنے ڈاکٹر دوست کی باتوں پہ غور کر رہے تھے۔

"اپنی بہو سے دوستانہ انداز میں اس کے طرز عمل کی وجہ پوچھو یا پھر اپنے طور پہ جاننے کی کوشش کرو۔ شاید اس کے ماضی کا کوئی ایسا واقعہ ہو' کوئی اپنی یا کسی اور کی یاد۔۔۔ کوئی تلخ تجربہ۔۔۔"

وہ نشاط کے میکے کے بارے میں سوچنے لگے۔ خالد کے لیے نشاط کا رشتہ ان کے کسی مشترکہ شناسا نے کرایا تھا۔ نشاط کے والدین بہت پہلے ایک حادثے میں وفات پا چکے تھے۔ نشاط اور اس کے چھوٹے بھائی کو ان کے تایا تائی نے پالا تھا اور جہاں تک سعید صاحب کو یاد تھا' وہ دونوں خاصے پرخلوص' سادہ طبیعت اور محبت کرنے والے لوگ تھے۔ ان کی اپنی ایک ہی بیٹی تھی۔ نشاط سے کچھ سال بڑی۔ جس کی شادی وہ اس سے پہلے کر چکے تھے اور نشاط کو انہوں نے خاصی محبت سے پالا تھا۔ شادی پہ بھی کوئی کسر باقی نہ رہنے دی تھی بعد میں روشانے اور حمزہ کی پیدائش پہ بھی کھلے دل سے

رسمیں بھائیں۔ ہر عید' شب برات پہ بالکل سگے ماں باپ کی طرح پیار و محبت سے تحائف اور سوغاتیں بھیجتے۔ ان سب میں کوئی دکھاوا یا دنیاداری سعید صاحب کو نظر نہیں آتی تھی۔ ویسے بھی نشاط کو جب بھی اپنی تائی سے فون پہ بات کرتے سنا' ملتجا یا ہمیشہ اس کے چہرے پہ محبت و احترام دیکھا' اس لیے ایسا تو نہیں لگتا تھا کہ ان کی سختی یا زیادتی کی وجہ سے وہ خود بھی ایسی ہی انتہا پسند ہو گئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی ان کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔

نشاط کے تایا تائی دونوں دوسرے شہر میں رہائش پذیر تھے اور کبھی کبھار گرمیوں کی چھٹیوں میں وہ بچوں کو لے کر وہاں چلی جایا کرتی تھی مگر یہ ان کے بچپن کی بات تھی۔ اب عرصے سے اس کا جانا برائے نام تھا۔

پچھلی بار جب وہ لوگ عید پہ آئے تھے تو روشانے میٹرک کا امتحان دے کر فارغ تھی اور انہوں نے بہت محبت سے اصرار کیا تھا اسے اپنے ساتھ لے جانے اور کچھ دن ساتھ رکھنے کے لیے۔ بچے ننھیال جا کے رہا ہی کرتے تھے۔ یہ معمول کی بات تھی اور اگر نشاط اسے بھیجنا نہیں چاہتی تھی تو وہ سہولت سے انکار کر سکتی تھی مگر اس کا ردعمل شدید اور غیر معمولی تھا۔ وہ واضح طور پر خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ اس نے بہت سختی سے انکار کیا تھا اور بعد میں کافی دیر تک وہ ڈسٹرب بھی رہی تھی۔ آج یاد آنے پہ سعید صاحب کو یہ بات بہت محسوس ہوئی۔

انہوں نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اس ویک اینڈ کے لیے میں نے ایک پروگرام بنایا ہے۔"

اگلے دن خالد صاحب کے آفس اور بچوں کے اسکول و کالج جانے کے بعد سعید صاحب نے اعلان کیا۔ اس وقت سامنے صرف نشاط تھی اور ظاہر ہے' مخاطب وہی تھی۔ وہ چونک کے انہیں دیکھنے لگی۔

"ہم سب مل کے تمہارے میکے چلتے ہیں۔"

"یہ خیال کیسے آیا آپ کو ابا جی!"

اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ بہت سادہ سی جس سے سعید صاحب کو لگا کہ ان کا وہم بے بنیاد ہوگا۔ میکے جانے کے نام پہ وہ گھبرائی یا پریشان نہیں ہوئی تھی۔

"بس یونہی' وہ تو آتے ہی رہتے ہیں۔ ہم نے سوچا' اس بار ہم ان کی خیریت دریافت کر آئیں۔ کیا خیال ہے؟"

"خیال تو نیک ہے۔ خالد سے پوچھ لیں اور امی سے بھی۔ شاید وہ سفر نہ کرنا چاہیں۔"

"تم اپنی امی کی پروا مت کرو' رہا خالد تو وہ نہ بھی جانا چاہے تو ہم اپنا پروگرام نہیں بدلیں گے۔ ویسے بھی کافی عرصے سے میرا بچوں کے ساتھ کہیں جانا نہیں ہوا بلکہ۔۔۔" انہوں نے گلا صاف کر کے اصل بات کہی۔

"بلکہ بچوں کو ہفتہ دس دن کے لیے وہیں چھوڑ دیتے ہیں۔"

نشاط جس بری طرح چونکی اور جس طرح اس کی رنگت متغیر ہوئی وہ خود کڑبڑا سے گئے۔ اب وہ عجیب نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ جلدی سے اپنی بات کی وضاحت کرنے لگے۔

"حمزہ کے مڈٹرم بھی ہو چکے ہیں' دسمبر کی چھٹیاں تو ہو ہی رہی ہیں دونوں کی۔ دراصل یہ خیال مجھے یوں آیا کہ ہمارے پوتا پوتی ہیں تو ان کے بھی تو نواسا نواسی ہیں۔ تمہاری بڑی بہن (نشاط کی تایا زاد) کے ہاں تو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ انہوں نے تو سارا ننانی نانا والا پیار ان پہ ہی لٹا دیا اور یہ ایسے بے فیض بچے ہیں کہ ان کے پیار کی قدر ہی نہیں۔ یہ نہیں کہ کبھی ان کے پاس رہنے چلے جائیں' ان کی خدمت کر آئیں' دعائیں سمیٹ لیں گاڈ اٹھوا لیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں اس سب کی۔" وہ خشک لہجے میں کہنے لگی۔ "میں بچوں کا کہیں رہنا پسند نہیں کرتی۔"

"مگر میں نے تو تمہاری تائی سے سنا ہے کہ تم اپنے ننھیال بڑے ذوق و شوق سے جایا کرتی تھیں بلکہ

UrduPhoto.com

جاکے آنے کا بہانہ ہی نہیں لیتی تھیں۔ یہ بات تو انہوں نے بڑے گلے کی ساتھ کہی تھی کہ نشاط اپنی ننھیال جاکے میری ساری ممتا اور محبت پل میں فراموش کردیتی تھی بلکہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' تہمارے خالد سے ایک سال تک مگنی رہی تھی اور اس عرصے میں مجھے اکثر یہ اطلاع ملتی تھی کہ تم اپنے نانا یا ماموں کے ہاں رہنے گئی ہوئی ہو۔"

"آپ یہ کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے ہیں ابا جی!" وہ اٹھتا کر بولی۔ وہ اس وقت وہیں آئرن اسٹینڈ کے پاس کھڑی کپڑے استری کررہی تھی۔ ابھی بہت سے کپڑے استری کرنا باقی تھے مگر ان کی باتوں سے گھبرا کے اس نے استری کا پلگ نکالا اور اندر جانے لگی۔

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس پابندی کا اطلاق صرف اپنے بچوں پہ ہی کیوں؟" انہوں نے گہری سنجیدگی سے کہتے ہوئے اسے اپنے نزدیک بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"یہاں بیٹھو میرے پاس۔"

پتہ نہیں اس وقت ان کے لہجے میں کیسا جادو تھا کہ وہ کسی معمول کی طرح سر جھکائے بیٹھ گئی۔

"دیکھو بیٹی! بہت سے عوامل ہیں جو مجھے تم سے کھل کر بات کرنے پہ مجبور کررہے ہیں۔ تم بھی جانتی ہو کہ مجھ سے تمہارے تعلقات کبھی اتنے دوستانہ نہیں رہے' جتنے تمہاری ساس کے ساتھ رہے ہیں لیکن ہمارے اختلافات کی وجہ یہ بچے رہے ہیں۔ یعنی ایک قدر مشترک تو ہے ہمارے درمیان۔ تم بھی ان کے لیے پریشان رہتی ہو اور میں بھی ان ہی کے لیے فکرمند ہوں۔ ہاں بس ہمارا طریقہ کار اور وجہ دونوں ہی مختلف ہیں۔ میں اس وقت یہ بحث نہیں کروں گا کہ

[redacted] کی وجہ جارحیت اور [redacted] کا طریقہ [redacted] مگر"

وہ ذرا رکے اور اس کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے غیر متوقع طور پہ وہ سوال کردیا جس کے اندیشے سے ہی وہ خائف ہورہی تھی۔

"تم بچوں کو اپنے لیے بھیجنے یا ان کے لیے آنے سے کیوں روکتی ہو؟"

یہ سوال اتنا اچانک تھا کہ وہ فوری طور پہ اس کا جواب سے مکر بھی نہ سکی۔

انہوں نے اگلا سوال کیا۔

"کیا صرف اس لیے کہ وہ ان کے سگے باپ نہیں ہیں؟"

"ایسی بات نہیں ہے' میرے لیے ان کی حیثیت ماں باپ کے برابر ہی ہے۔" اس نے خود پہ قابو پاتے ہوئے صفائی پیش کی۔

"وہ تو خیر میں جانتا ہوں' تم نے ہمیشہ ہی یہ کہا اور ان بھلے لوگوں نے یہ ثابت بھی کیا ہے مگر یہ خیال اکثر آتا ہے کہ اگر وہ تمہارے سگے ماں باپ ہوتے تو ان کے بڑھاپے اور اکیلے پن کے باوجود کیا تم ان سے تب بھی اتنی ہی غافل رہتیں' جتنی اپنے بابا مامی سے رہتی ہو۔ سالوں وہاں نہیں جاتیں۔ کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ انہوں نے تمہیں یتیم بھتیجی سمجھ کر اپنی جو محبت اور شفقت تم پہ نچھاور کی' تم بھی کبھار کی خدمت اور دلجوئی سے ان کا تھوڑا بہت بدلہ چکا سکو۔"

"کیوں نہیں۔ دل تو چاہتا ہے کہ گھر کے جھمیلوں سے کچھ دن کے لیے جان چھڑا کے ان کی محبتوں کا قرض بھی اتار آیا کروں مگر بچے۔"

اس نے روانی سے بات کرتے کرتے لب بھینچ لیے۔

"مگر بچے آڑے آتے ہیں۔" سعید صاحب نے اس کی بات مکمل کی۔ "اس کی وجہ ہی تو میں جاننا چاہ رہا ہوں۔"

"نشاط بیٹا۔ ذرا مجھے گرم پانی کی بوتل تو دینا۔"

اندر سے آتی صالحہ بیگم کی پکار نے گویا اسے اٹھنے کا بہانہ فراہم کردیا۔ وہ جلدی سے اٹھ کر کچن کی جانب بڑھ گئی۔ سعید صاحب بھی اٹھ کے اپنے کمرے میں آگئے۔

"حد کرتے ہیں آپ۔ بے تقصیر افسروں کی طرح نشاط کے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑے تھے۔ میں اندر بیٹھی سب سن رہی تھی۔"

صالحہ بیگم نے ان کے کمرے میں آتے ہی انہیں آڑے ہاتھوں لیا۔

"میں اصل میں کفیل کے مشورے سے نشاط کے اس طرز عمل کے نفسیاتی عوامل۔۔۔"

"بس بس رہنے دیجیے۔ سر ہیں' سر رہن کے رہیے۔ زیادہ معالج بننے کی ضرورت نہیں۔ وہ آپ کی عزت کرتی ہے' اسے غنیمت جانیے اور جان بوجھ کے ایسے حالات نہ پیدا کریں جس سے گھر کے ماحول میں تلخی پیدا ہو بلکہ۔۔۔ آج ناشتے کے بعد بھی ابھی تک گھر میں موجود کیسے ہیں آپ؟ خدا کا واسطہ ہے جائیے' جہاں روز جاتے ہیں۔"

انہوں نے بے حد عاجز انداز میں کہا تو سعید صاحب کو غصہ آگیا۔

"لاحول ولا۔ اب یہ حیثیت رہ گئی ہے میری اس گھر میں کہ مجھے دو گھڑی برداشت کرنے پہ کوئی تیار نہیں ہے۔"

وہ ناراضی جتاتے باہر نکل گئے اور صالحہ بیگم گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ وہ کافی دیر سے سعید صاحب اور نشاط کی گفتگو سن رہی تھیں اور جو خیال انہیں کبھی پھوٹو کر بھی نہیں گزرا تھا' وہ سعید صاحب کے سوالوں نے ان کے اندر بھی بیدار کردیا کہ نشاط کی اپنے میکے سے گریز کی وجہ کیا تھی؟ اپنے بستر لیٹے لیٹے یہ باتیں سنتے ہوئے وہ بھی شدت سے منتظر تھیں کہ نشاط اس کی کیا وجہ بیان کرتی ہے مگر نشاط کے گھبرانے اور اس بات سے انکار کے بعد اچانک انہیں احساس ہوا کہ کوئی وجہ ہے تو ضرور مگر ہو سکتا ہے' وہ وجہ ایسی ہو جسے وہ سعید صاحب کے سامنے بیان کرنے سے گریزاں ہو' اس لیے انہوں نے اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے سعید صاحب کو خود وہاں سے ہٹایا تھا۔

"امی جان! آپ کی گرم پانی کی بوتل۔۔۔"

بے حد سنجیدہ انداز میں انہیں بوتل پکڑاتے ہوئے نشاط نے چور نظروں سے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے سعید صاحب کی غیر موجودگی کا یقین کرنا چاہا۔

"چلے گئے ہیں وہ۔ میں نے بھیجا ہے۔" انہوں نے دوستانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"فضا مخواہ تمہیں تنگ کررہے تھے۔"

اب کے اس کے لبوں پر بھی پھیکی سی مسکراہٹ در آئی۔

"وہ دل کے برے نہیں ہیں۔ ہاں بس۔۔۔ بیٹی کے باپ نہیں بنے' اسی لیے ان نزاکتوں کو نہیں سمجھتے کہ بیٹیاں ہر بات باپ سے نہیں کہہ دیا کرتیں۔ بعض باتیں وہ صرف ماؤں سے کرنا پسند کرتی ہیں۔ ہے نا۔"

اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے انہوں نے پیار سے کہا۔ وہ اقرار میں سر ہلانے کے سوا کچھ نہ کہہ سکی۔

"تم مجھ پہ اعتبار کرسکتی ہو نشاط! میں بھی تو تمہاری ماں ہوں۔"

"امی جان۔۔۔" آنسو ان کے گلے لگتے ہی بہہ نکلے تھے۔

☆ ☆ ☆

"جب امی ابا کی ایک حادثے میں وفات ہوئی' تب میری عمر بمشکل گیارہ سال تھی اور حامد' میرا چھوٹا بھائی پانچ چھ برس کا تھا۔ ابا کوئی خاص جائیداد بھی چھوڑ کے نہیں گئے تھے۔ سرکاری ملازم تھے۔ مکان اپنا تھا' خرچے بھی اچھا گزارا ہو جاتا تھا کیونکہ مکان اپنا تھا' خرچے بھی زیادہ نہیں تھے مگر ایسے یتیم بچوں کی سرپرستی کا ذمہ لینے سے سب گھبراتے ہیں' جن کی جائیداد بھی نہ ہو۔ اس کے باوجود میں اور میرا بھائی خوش قسمت تھے جو ہمیں تایا جان کی شفقت ملی۔ انہوں نے دل و جان سے چھوٹے بھائی کی ان نشانیوں کو سمیٹا اور اپنے گھر لے گئے۔

تائی امی سے خاندان میں کسی کی کم ہی بنتی تھی کیونکہ وہ مزاجاً تیز تھیں اور بالی سب کے مقابلے میں کم پڑھی لکھی بھی بلکہ بالکل ان پڑھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ بھلا دو چار جماعتیں کس گنتی میں آتی ہیں۔ باقی خاندان کی عورتیں جن میں میری امی' چچی اور پھوپھیاں شامل ہیں' بہت زیادہ تعلیم یافتہ نہ سہی مگر

میٹرک یا انٹر تو کر ہی رکھا تھا لیکن میں نے کم عمری میں ہی ان کے بارے میں سب قیاس آرائیوں کو غلط ہوتے محسوس کیا۔

وہ بہت سادہ طبیعت کی تھیں۔ انہوں نے اس بات کو قطعاً "اہمیت نہیں دی کہ میری مرحومہ امی سے ان کے تعلقات کبھی اچھے نہیں رہے بلکہ اس کا احساس تک نہ ہونے دیا اور اپنی اکلوتی بہنی زبیدہ جتنا ہی پیار ہم دونوں بھائی بہن کو دیا۔ اسی اسکول میں پڑھایا جس میں زبیدہ پڑھتی تھی ہوٹیوٹر اسے پڑھانے آتا تھا' وہی ہم دونوں کو پڑھاتا تھا۔ جیسے کپڑے اس کے بنے' ویسے میرے بنے' جیسی دھوم دھام سے شادی اس کی کی' ویسی میری کی۔"

"پھر۔۔۔ پھر کمی کہاں ہے نشاط؟" صالحہ بیگم نے الجھ کر پوچھا۔

"کمی۔۔۔" وہ پلکیں جھپک کر آنسو روکنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے گلوگیر لہجے میں بولی۔

"کمی تھی مگر پیار' محبت اور لاڈ میں نہیں' کمی تربیت میں تھی۔ جو تربیت وہ زبیدہ کی نہ کر سکیں' اپنی سگی بیٹی کی۔۔۔ وہ میری اور حامد کی کیسے کرتیں۔ وہ اس صلاحیت سے یکسر محروم تھیں۔ انہوں نے ہم تینوں کو بلا تفریق محبت تو دی مگر ماں کی وہ تربیت ہمیں میسر نہ آسکی جو ماں کا خاصہ ہوتی ہے۔"

"مجھے تو ایسی کوئی بات تم میں نظر نہیں آتی۔ تم ماشاء اللہ ہر لحاظ سے' ہر ہنر سے آراستہ ہو۔ تمہیں پہلی نظر میں ہی دیکھ کر یونہی تو میں نے خالد کے لیے پسند نہیں کر لیا تھا۔" انہوں نے اسے تسلی دی۔

"اپنی امی کی وفات کے وقت میں گیارہ برس کی تھی۔ اپنی امی کی حامد کی [illegible] تھیں۔ وہ بہت سمجھ دار' تعلیم یافتہ' منظم اور سلیقہ شعار خاتون تھیں۔ میں نے بہت سی [illegible] ان سے لی ہیں۔ ان کی تربیت کمی تو شاید کہیں نہ کہیں مکمل پر تو ہوتی مگر پھر میں اپنے ننھیال میں بھی [illegible] داریاں نبھاویں اور کچھ۔۔۔ کچھ زمانے نے سیکھ دیے۔ زبیدہ کے ساتھ ہونے والے واقعہ نے مجھے کے رکھ دیا۔ میں نے سوچ لیا کہ مجھے اپنے لیے جو کرنا ہے' خود کرنا ہے۔ تائی امی کے رحم و کرم پہ نہیں رہنا اور پھر حامد۔۔۔ حامد کا جو حال ہوا' اس کے بعد تو۔۔۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کے رو پڑی۔

"تمہارا بھائی تو عرصے سے جرمنی میں مقیم ہے نا؟"

"نہیں امی! میرا بھائی چودہ سال کی جیل کاٹنے کے بعد اب کہاں ہے' میں نہیں جانتی۔ کوئی بھی نہیں جانتا۔"

"کیا۔۔۔؟" وہ اس انکشاف پہ حیران رہ گئیں۔ انہیں تو شادی کے بعد ہی بتایا گیا تھا کہ حامد جو تعلیم کے سلسلے میں جرمنی گیا تھا' اب روزگار نے اسے وہیں باندھ لیا ہے۔ بعد میں کہا گیا کہ وہ شادی کر کے وہیں سیٹل ہو گیا ہے۔ انہیں حیرت تو ہوتی تھی ایسے بھائی پہ۔ اکثر لوگ باہر جاتے ہیں' ساروں واپس نہیں آتے مگر خط' فون وغیرہ سے کوئی رابطہ تو رہتا ہی ہے۔ یہ کیسا بھائی تھا جس نے بہن کو کبھی عید' شب برات پہ بھی کوئی فون نہیں کیا تھا۔

"ہاں' تایا جان نے آپ لوگوں سے یہ جھوٹ بولا تھا' تاکہ میری شادی کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ بھلا ایک سزا یافتہ مجرم کی بہن کو کون عزت دار گھرانہ بیاہ کر لاتا ہے۔"

"مگر ہوا کیا تھا اس بدنصیب کے ساتھ؟"

"ہاں بدنصیب۔۔۔ بدنصیب ہی تو ہوتے ہیں وہ لوگ جن کو محبت کی گرمی تو ملتی ہے مگر پرورش کی کھاد ان کی جڑوں تک نہیں پہنچتی۔ تائی امی کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا کہ انہوں نے ہم تینوں پہ کبھی کسی قسم کی روک ٹوک کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اگر ان کا صرف میرے اور حامد کے ساتھ ہوتا تو میں سمجھتی کہ ہمیں پرائی اولاد جان کے وہ اس معاملے میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتیں مگر ان کا رویہ زبیدہ کے ساتھ بھی ایسا ہی تھا اور وہ اس بات سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے لگی۔ وہ فطرتاً تائی امی کی طرح لاپروا اور لاابالی تھی۔ اس پہ سہیلیاں بنانے اور بلا روک ٹوک ان کے گھر آنے جانے کی آزادی۔۔۔ عمر سے پہلے ہر فیشن اپنانے کی عادت۔۔۔ صرف پندرہ برس کی عمر میں اس کا معاشقہ ہمارے ٹیوٹر سے چلا' جو اسے گھر سے بھگا لے گیا۔"

اس انکشاف پہ صالحہ بیگم ششدر رہ گئیں مگر تو کنا مناسب نہ جانا۔

"تایا جان نے اپنے ذرائع استعمال کرتے ہوئے تین دن کے اندر اسے ڈھونڈ نکالا۔ لڑکے کا تو جو حشر کیا سو کیا مگر زبیدہ کا تین دن اور دو راتیں گھر سے باہر رہنا قیامت سے کم نہیں تھا۔ اگرچہ اس بات کو زیادہ پھیلنے نہیں دیا گیا تھا۔ محلے میں اور جاننے والوں کو یہی بتایا گیا کہ وہ چند دن کسی عزیز کے ہاں رہنے گئی ہے مگر خاندان میں یہ بات پھیل گئی کیونکہ اس کو واپس لانے کے لیے اس کے چچا ماموں وغیرہ سب سرگرم تھے۔ اب خاندان سے تو کسی رشتے کا آنا ناممکن سی بات تھی۔ جلدی میں جیسا بھی رشتہ آیا' قبول کر لیا گیا اور ایک سال سے بھی کم عرصے میں اس کی شادی کر دی گئی۔ اب تائی امی مجھے اور حامد کو پہلے سے بھی زیادہ ٹوٹ کے چاہنے لگیں۔ زبیدہ سے وہ نارانس تھیں۔ اس کی شادی کر دینے کے بعد بھی۔ جبکہ میرا خیال تھا کہ اس کی تباہی کی سب سے بڑی ذمہ دار وہ خود تھیں۔ انہوں نے بیٹی کی ماں والی کوئی ذمہ داری کبھی نبھائی ہی نہیں تھی۔ ٹیوٹر ہم دونوں کو جلدی فارغ کر کے دیر تک ڈرائنگ روم میں زبیدہ کو اکیلے میں کیا پڑھاتا رہتا ہے' یہ جاننے کی انہوں نے کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ آرام سے اپنے کمرے میں دوپہر سو کے گزارتیں۔ زبیدہ دو بجے کالج بند ہونے کے بعد بھی چار چار بجے تک گھر کیوں آتی ہے' اس کی بھی پروا نہیں کی اور اب وہ اس کا قصور بخشنے پہ تیار نہیں تھیں۔ حالانکہ وہ اپنے شوہر اور سسرال کی طرف سے پہلے ہی بہت پریشان تھی۔

تائی امی کی ساری محبت کا رخ جب میری اور حامد کی جانب مڑ گیا تو مجھے ان کی محبت سے خوف آنے لگا جبکہ حامد اس بے جا لاڈ پیار سے ناجائز فائدے اٹھانے لگا۔ تایا ابا بیمار رہنے لگے تھے۔ اکثر دکان سے جلدی اٹھ کے گھر آجایا کرتے اور دکان کے ملازم لڑکے کسی نہ کسی کام سے بار بار گھر آتے رہتے۔

مجھے اس ماحول سے وحشت ہونے لگتی۔ میں کچن میں کام کر رہی ہوتی اور کوئی بلا اجازت اندر داخل ہو کر خود ہی پانی کا کولر بھرنے لگتا۔ میں چھت پہ کپڑے ڈالنے جا رہی ہوتی اور تائی کسی دکان کے لڑکے کو پیچھے بھیجتیں کہ جاؤ بہن کی مدد کرو۔ صرف کہہ دینے سے ہر لڑکا دوسری لڑکی کو بہن نہیں بنا لیتا۔ یہ بات وہ نہیں سمجھ سکتی تھیں۔ میں نے اپنی ننھیال میں پناہ ڈھونڈنا چاہی۔ میرا ویک اینڈ اور گرمیوں' سردیوں کی تعطیلات وہاں گزرنے لگیں۔ وہاں کا منظم ماحول مجھے سنبھالنے میں معاون ثابت ہوتا مگر میں تایا کا گھر چھوڑ کے مستقلاً" کبھی وہاں نہیں رہ سکتی تھی۔ اگر ایک بار کہتی تو شاید نانی اور ماموں مجھے رکھ بھی لیتے مگر مجھے یہ کم ظرفی لگتا۔ کچھ بھی تھا' تایا تائی نے ہمیں اپنی اولاد جانا تھا۔

حامد اب مکمل طور پہ تائی کے تجربہ کار ہاتھوں میں تھا۔ اس کا وہی حال ہوا جو ہو سکتا تھا۔ تعلیم سے دوری' کھلا جیب خرچ اور آزادی۔ ان سب نے مل کے اسے تباہ کر ڈالا۔ وہ راتوں کو دیر سے گھر آنے لگا۔ تائی امی اس پہ پردے ڈالتی رہیں۔ یہاں تک کہ پانی سر سے اونچا ہو گیا۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ڈکیتی اور قتل کے جرم میں پکڑا گیا۔"

سالوں پرانا زخم جیسے پھر سے تازہ ہو گیا۔ وہ صالحہ بیگم کے گلے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

"تایا جان نے اپنی کاروباری مصروفیات کی وجہ سے کبھی گھر اور بچوں پہ توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ ان کی ضروریات پوری کر دینے کو ہی اپنا فرض سمجھتے تھے۔ مجھے ان سے گلہ تھا جو میں ان سے کر بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ حامد کی حالت کا جتنا دکھ مجھے تھا' اتنا ہی انہیں بھی تھا۔ وہ بری طرح ٹوٹ چکی تھیں۔ ایک شکستہ دل عورت کو میں الزامات عائد

کرکے اور شکستہ کیا کرتی۔ میں نے بتایا نا' ان کے جذبوں میں کھوٹ نہیں تھا۔"

ایک بار پھر وہ ضبط کھو بیٹھی تو انہوں نے اسے دلاسہ دیا۔

"کیا کیوں سوچتی ہو بیٹی! زبیدہ نے اپنی ازدواجی زندگی کے آغاز میں بے شک بہت سی مشکلات کا سامنا کیا' معاشی مسائل بھی تھے اور گھریلو بھی مگر اب وہ اپنے گھر اور شوہر سے مطمئن ہے۔ ہاں بس ایک گود خالی ہے اس کی تو اس میں نہ اس کا قصور ہے' نہ اس کی نا سمجھی بس۔ اور تم بھی ماشاء اللہ ایک اچھی زندگی جی رہی ہو۔ تمہارے لیے کیے ان کے سب فیصلے غلط تو نہیں تھے۔"

"ہاں' جب انہوں نے حامد کے دکھ کے باوجود خود کو سنبھالتے ہوئے میرے کسی اچھی جگہ رشتہ کرنے کی خاطر اپنا جما جمایا کاروبار اور آبائی گھر چھوڑتے ہوئے ایک دوسرے شہر میں رہائش اختیار کی تو یہ گلہ کچھ کم ہونے لگا اور اپنی شادی کے بعد میں نے انہیں دل سے معاف کردیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ تہیہ بھی کرلیا کہ میں وہ غلطیاں نہیں دہراؤں گی جو نانی جان سے سرزد ہوئیں۔ میں اپنے بچوں کی تربیت میں کوئی کمی نہیں رہنے دوں گی۔ مجھے صرف ان کے انہیں نہیں پالنا بلکہ ایک محافظ کی طرح ان کو زمانے کے سرد و گرم سے بھی بچانا ہے۔"

"تمہارا فیصلہ درست تھا نشاط!"

وہ شاید اس کے بعد کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھیں مگر نشاط نے اتنا سنتے ہی ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"چچی۔۔۔ چچی میں ٹھیک ہوں امی جان۔۔۔ میں بالکل صحیح کررہی ہوں نا۔۔۔ آپ یہ بات ابو جان اور خالد کو بھی بتائیں کہ میں جو بھی کررہی ہوں' وہ کتنا ضروری ہے اور اس کی اپنی اور ان کی بھی کتنا بھلے کے لیے ہے۔ میں اگر انہیں ان کے نانا نانی کے بزرگ' اپنی ساری خوشی اب میرے بچوں سے منانا چاہیں گے۔ ان کا اظہار ان کا وہی حق ہے گا جو

جو زبیدہ اور حامد۔۔۔ نہیں' میں وہاں کیسے بھیج انہیں۔۔۔ ان کے گھر کا ماحول اب تک وہاں ملازم دندناتے پھرتے ہیں۔ یہ سوچ کر ہی گندی حریص نظریں جیسے ان کی بیٹی کو کررہی ہوں گی۔ میں نے یہ عذاب سہا ہے چاہتی کہ میری بیٹی کسی کی گندی نظروں کرے۔ میں اسے چھپا کے رکھنا چاہتی ہوں۔"

"تم چاہو تو سب کرسکتی ہو نشاط! چاہو تو کی نظروں سے چھپا سکتی ہو۔ چاہو تو حمزہ کو زمانے برائی سے بچا کے گھر کے اندر بند رکھ سکتی ہو کی ان کے ذہن کو کسی سوچ سے نہیں روک سکتی سوچ' اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی۔"

"میں کچھ نہیں سمجھی امی جان؟"

"بیٹا! تم ان پہ پہرے بٹھا سکتی ہو۔ ان کے ان کے دماغ' ان کے خیالات اور سوچوں پہ نہیں سوچیں انہیں باغی بھی کرسکتی ہیں اور تم سے بد بھی۔"

"تو پھر میں کیا کروں' ان کی نظر میں اچھا بننے لیے انہیں کھلی چھوٹ دے دوں۔ انہیں من مانی کرنے دوں؟"

"نہیں' ان کی انگلی تھام لو اور انہیں قدم قدم چلنا سکھاؤ۔ ہاں کا ایک فرض یہ بھی تو ہوتا ہے۔ تم ان کی سوچ پہ پہرے نہیں بٹھا سکتیں مگر ان کی سوچ کا رخ تبدیل کرسکتی ہو۔ تمہاری نیت اور خواہش ٹھیک ہے مگر طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ جیسے تربیت کی کمی نقصان دہ ہوتی ہے' ایسے ہی زیادتی بھی ہر چیز کی بری ہوتی ہے۔"

"مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔"

اس نے سر تھام لیا۔

"وہی جو میں نے کہا ہے' ان کی سوچوں کا رخ تبدیل کردو۔ ان کا کانفیڈنس توڑنے کے بجائے انہیں اس کے سپرد کرکے سمجھو جو سب سے بڑا کانفیڈنس ہے۔"

"مگر کیسے؟"

"وہ میں تمہیں بتاتی ہوں۔"

☆ ☆ ☆

صبح سعید صاحب نے یہ منظر بے حد حیرانی کے ساتھ دیکھا کہ وین والا ہارن پہ ہارن بجائے جارہا تھا مگر نشاط بجائے بے چینی سے ادھر ادھر ہونے کے' سکون سے کچن میں کھڑی ناشتہ بنارہی تھی۔

"روشانے۔۔۔ ناشتہ کرلیا ہے تو جلدی کرو' وین والا کب سے انتظار کررہا ہے۔"

آج صرف اس کے انداز سے ہی نہیں' آواز سے بھی اطمینان چھلک رہا تھا۔

اگلا جھٹکا سعید صاحب کو روشانے کو دیکھ کر لگا۔

ہمیشہ وہ اپنے حلیے اور لباس سے دس پندرہ سال پیچھے کے زمانے کی لگا کرتی تھی' یہ بات سعید صاحب جیسے عمر رسیدہ انسان کو بھی باآسانی محسوس ہوجاتی تھی مگر آج وہ اسے بڑے معقول حلیے میں دیکھ رہے تھے۔ تیل لگا کر بال کھینچ کر بنانے کے بجائے ڈھیلی سی دو چوٹیاں تھیں۔ چہرے کی شگفتگی اور تازگی بتارہی تھی کہ وہ آج کالج جاتے ہوئے سراسیمہ نہیں بلکہ پراعتماد ہے پھر سعید صاحب نے مزید حیران ہوتے ہوئے اسے سیاہ گاؤن پہنتے اور حجاب لیتے دیکھا۔

وہ پراعتماد قدموں سے باہر کی جانب جانے لگی تھی اور نشاط کسی گارڈ کی طرح اس کے ساتھ باہر تک جانے کے بجائے آرام سے ناشتہ بنارہی تھی۔ اب اسے جانے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ اس نے روشانے کے لیے ایک ایسے گارڈ کا انتظام کردیا تھا جو اس کی نسبت کہیں زیادہ قابل بھروسا تھا اور گھر سے باہر ہر قدم پہ اس کی حفاظت کرنے کے لیے ساتھ ساتھ تھا۔

☆ ☆ ☆

"حمزہ! کمپیوٹر کا پیچھا چھوڑو اور اٹھو۔"

"ماما! میں بور ہورہا ہوں' اس لیے ذرا دیر۔۔۔"

"تمہاری بوریت کا علاج ہے میرے پاس۔"

نشاط نے اسے بازو سے تھام کے کمپیوٹر ٹیبل سے اٹھایا۔

"جاگرز پہنو اور دادا دادی کرنے جارہے ہیں۔ ان کے ساتھ جاؤ۔"

"واک کرنے؟"

وہ حیران تھا۔ ایسا آرڈر پہلے تو کبھی نہیں دیا گیا تھا۔

"وہ پارک میں واک کریں گے' تم اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کرکٹ اور فٹ بال وغیرہ کھیل لینا۔ صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے۔ یوں اسکول سے آکر ایک جگہ پڑے رہنے سے تو تم ڈل ہوجاؤ گے۔"

"رئیلی ماما! میں جاؤں؟"

اگر وہ یقین نہیں کررہا تھا تو اس کی وجہ بھی معقول تھی۔ بچپن سے لے کر اب تک اسے اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ گھر سے باہر جاکر کھیلنے کی اجازت کہیں ملی تھی۔

"ہاں' بلکہ روز جانا چاہیے تمہیں۔ دادا کو بھی آنے جانے میں آسانی ہوگی۔ تم جو ہوگے ان کا خیال رکھنے کے لیے اور سنو۔"

"جی ماما!" وہ بڑے جوش کے ساتھ کمرے سے نکل رہا تھا کہ رک کر پوچھنے لگا۔

"دادا جاتے ہوئے مسجد میں عصر کی اور واپسی پہ آتے ہوئے مغرب کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ اگر تم ان کے ساتھ جارہے ہو تو تمہیں ان کا یہ معمول بھی اپنانا ہوگا۔ اوکے!"

"اوکے ماما!"

حمزہ کے جانے کے بعد وہ طمانیت سے مسکرادی تھی۔